مخلص نوجوانوں سے گزارش

نیم مذہبی اور سیاسی تحریکات نے دینی ذوق کو اس قدر کمزور کر دیا ہے کہ اچھے اچھے اہل علم بھی توحید و سنت پر گفتگو کو فرقہ پرستی تعبیر کرتے ہیں، ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو نڈر ہو کر کتاب و سنت کی اشاعت کریں! اصول اور فروع پر خود عمل کریں اور عامۃ المسلمین کو ان مسائل کی طرف متوجہ کریں، اور اس کے لئے بہتر اسلوب اختیار کر سکیں، مناظرانہ طعن و تشنیع سے بچ کر جدالِ احسن اور تبلیغ کے لئے اچھی زبان اختیار کریں، امام بخاری رحمہ اللہ خصوصاً اور ائمہ حدیث عموماً اس باب میں بہترین اسوہ ہیں۔

(مقالات حدیث: صفحہ ۹۴، شیخ الحدیث

مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ رحمہ اللہ (۱۹۶۸م)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یداللہ علی الجماعۃ

حق کا داعی اور مسلک سلف کا ترجمان

ماہنامہ

الجماعۃ

خصوصی شمارہ

اگست - ستمبر ۲۰۱۸ء / ذوالحجہ - محرم ۴۰-۱۴۳۹ھ

بدل اشتراک......فی شمارہ: 15 روپے • سالانہ: 150 روپے

پتہ

دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی ۱۴-۱۵، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو، ایل. بی. ایس مارگ، کرلا ویسٹ ممبئی-۷۰

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.

Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com

@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai

www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com

نگارشات

حلقۂ قرآن

عظمت عشرۂ ذی الحجہ

محمد ایوب اثری

(وَالْفَجْرِ○ وَلَيَالٍ عَشْرٍ○ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ○ وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ)(الفجر:۱-۴)

ترجمہ : قسم ہے فجر کی اور قسم ہے دس راتوں کی اور قسم ہے جُفت کی اور طاق کی اور رات کی جب وہ چلنے لگے۔

تشریح : حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دس راتوں سے ماہ ذی الحجہ کے شروع کی دس راتیں مراد ہیں (تفسیر ابن کثیر)

اور جمہور مفسرین کے نزدیک بھی دس راتوں سے ذی الحجہ کی دس راتیں مراد ہیں۔

قارئین کرام : قرآن وسنت کی روشنی میں جب ہم اس عشرہ کی فضیلت واعمال کے تعلق سے غور کرتے ہیں تو بے شمار آیات واحادیث صحیحہ ہمیں ملتی ہیں جو اس کی فضیلت واہمیت کو واضح کرتی ہیں مثال کے طور پر سورۂ فجر کی آیت (وَلَيَالٍ عَشْرٍ) یعنی اللہ تعالیٰ کا ان کی قسم کھانا ہی ان کی عظمت وفضیلت کی سب سے بڑی دلیل ہے اور وہ حدیث جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**مامن ایام العمل الصالح فیهن احب إلی الله من هذه الایام العشر یعنی عشرہ ذی الحجه قالوا ولا الجهاد فی سبیل الله؟ قال ولاالجهاد فی سبیل الله الارجل خرج بنفسه وماله فلم یرجع من ذلک بشئ**''(بخاری) دنیا کے تمام ایام میں ان دس ایام (یعنی ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن) میں عمل صالح اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی اتنا محبوب نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہاد کرنا بھی اتنا محبوب نہیں ہے سوائے اس شخص کے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ نکلے اور پھر کسی چیز کے ساتھ واپس نہ لوٹے (یعنی مال بھی اللہ کی راہ میں خرچ کردے اور خود بھی شہید ہوجائے)

بعض علماء نے عشرۂ ذی الحجہ کی امتیازی فضیلت کا سبب یہ بھی لکھا ہے کہ ساری اہم ترین عبادتیں جیسے نماز، روزہ، صدقہ اور حج وعمرہ اور قربانی اسی عشرہ میں اکٹھا ہیں۔ (مرعاۃ المفاتیح رشیخ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ)

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ جب عشرۂ ذی الحجہ کی اتنی بڑی فضیلت واہمیت ہے تو ان فضائل وبرکات کو کیسے حاصل کیا جائے یا ان کے حصول کے کیا اسباب وذرائع ہیں چند اسباب کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے اللہ ہمیں انہیں اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۱) حج وعمرہ کرنا : سب سے اچھا وعمدہ عمل ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا پے درپے حج وعمرہ کرو کیونکہ یہ دونوں فقر وفاقہ اور گناہوں کو اسی طرح دور کردیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہا، سونا، اور چاندی کے میل کچیل کو دور کردیتی ہے۔(صحیح سنن نسائی)

دوسری حدیث میں فرمایا ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور حج مبرور (حج مقبول) کا بدلہ صرف جنت ہی ہے۔(بخاری ومسلم)

(۲) ان دنوں میں روزہ رکھنا : روزہ رکھنا بھی اللہ کے نزدیک ایک پیارا اور پسندیدہ عمل ہے لہٰذا ان دنوں میں پورے یا جتنے روزہ آپ رکھ سکیں رکھیں بہتر ہے خاص کر یوم عرفہ (یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ) جس کی فضیلت کے تعلق سے آپ ﷺ فرماتے ہیں : **''صيام يوم عرفة احتسب على الله ان يكفر السنة التى قبله والسنة التى بعده''** (مسلم) نویں ذی الحجہ کے روزے کے سلسلے میں میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ یہ روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ثابت ہوگا۔

(۳) ذکر واذکار کرنا : اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: (فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ)(البقرۃ:۱۵۲) اور (وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيٓ أَيَّامٍ مَّعْلُومٰتٍ)(الحج:۲۸) اور اللہ کا ذکر کرو ان معلوم شدہ دنوں میں اور نبی اکرم ﷺ ایک حدیث میں ذکر واذکار تسبیح وتہلیل کے تعلق سے فرماتے ہیں : **''مامن ايام اعظم عندالله ولا احب اليه العمل فيهن من هذه الايام العشر فاكثروافيهن من التهليل والتكبير والتحميد''** (مسند احمد) آپ ﷺ نے فرمایا کہ سال کے تمام ایام میں کوئی دن ایسا نہیں جس میں عمل صالح اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ عظیم اور محبوب ہو اس لئے ان دنوں میں کثرت سے **''لا إله إلا الله، الله أكبر''**، اور **الحمدلله** کہنا چاہیے یہ روایت کافی مشہور ہونے کے باوجود ضعیف ہے اس کی سند میں ابوزید الہاشمی نامی ایک راوی ہے جو ضعیف ہے۔ پھر بھی صحابہ کے عمل سے اور علماء نے مستحب سمجھا ہے کہ ان دنوں میں بکثرت اللہ کا ذکر کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **''كان ابن عمر و ابوهريرة رضى الله عنهما يخرجان إلى السوق في ايام العشر يكبران ويكبرالناس بتكبيرهما''** (بخاری) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما بازار کی طرف نکل جاتے اور تکبیر کہتے رہتے اور دوسرے لوگ بھی ان کی تکبیریں سن کر تکبیریں کہتے۔ یہ ہیں ذی الحجہ کے مبارک دس ایام اور ان میں کئے جانے کے کام اس لئے ہمیں چاہیے کہ ان عظمت والے ایام میں کثرت سے نیک اور اچھے اعمال انجام دیں برائیوں سے اجتناب کریں اور کمالِ محبت اور تمام انکساری کے ساتھ رب کی اطاعت وبندگی بجالائیں اور میدان عمل میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی پوری جدوجہد کریں تاکہ دونوں جہان میں کامیابیوں سے ہمکنار رہوں۔

❖ ❖ ❖

اداریہ

حضرت ابراہیم: موحد اقلیت کے لیے اسوہ

سرفراز فیضی : داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت دعوت توحید کا ایک مکمل نصاب ہے، ان کی پوری زندگی دعوتی جدوجہد سے عبارت ہے، انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر انہوں دعوت کی کئی منزلیں عبور کی، بہت سارے مراحل طے کیے، مشکل گھاٹیاں سر کر کے چوٹی پر جا پہنچے، حضرت ابراہیم دعوت کی شان ہیں، داعیان توحید کے امام ہیں، دنیا کے ہر داعی کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی مشعل راہ ہے، داعی حق کو زندگی میں جب بھی کسی مشکل کا سامنا ہو اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت میں اپنی مشکل کا حل اور رہنمائی کی روشنی ضرور مل جائے گی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے امت مسلمہ کے لیے اسوہ بھی اسی لیے قرار دیا ہے، ایک طرف تو ان کی شخصیت کثیر الجہات ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان کے کردار کا ہر پہلو عظیم اور مثالی ہے، یہی وجہ کہ دیگر انبیاء کی بنسبت قرآن مجید ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے، ایک مشرک باپ کو موحد بیٹا، مشرک قوم کے سامنے تن تنہا کھڑا نوجوان، بادشاہ وقت کے سامنے سینہ سپر حق گو مجاہد، باطل کی دلیلیں پاش پاش کر دینے والا مناظر، وقت اور حالات کی مصلحتوں کو سمجھنے والا داعی، ملک ملک کی خاک چھاننے والا مہاجر، محبت کرنے والا شوہر، اپنے اولاد ہی نہیں مستقبل میں پیدا ہونے والی ذریت تک کے لیے فکر مند باپ، تن تنہا ایک امت، ایک امام، ایک صابر، شاکر، مطیع، قانت، وفادار بے چوں و چرا سر تسلیم خم کر دینے والا فرمانبردار بندہ اور سب سے بڑھ مشرکین سے بری اور شرک کی غلاظتوں سے پاک وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔

توحید اللہ رب العزت والجلال کا سب سے بڑا مطلوب ہے، توحید اللہ کے نزدیک سب سے بڑی عبادت اور سب سے محبوب نیکی ہے، توحید اللہ سے قربت اور محبت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، توحید کے معاملہ میں بندوں کے مراتب مختلف ہیں، توحید ویسے تو دنیا میں آنے والے ہر نبی کی دعوت کا مرکزی موضوع اور عنوان رہا ہے، لیکن حضرت ابراہیم کی توحید کو قرآن نے بالکل منفرد اور نمایاں انداز میں بیان کیا ہے۔ بندے کو توحید کے خلوص کے بقدر اللہ کی قربت اور محبت نصیب ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کے اس مقام پر پہنچے کہ اللہ ان کو اپنا خلیل منتخب کر لیا۔

قرآن مجید میں رب کائنات نے پانچ مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے محبت بھرے انداز میں فرمایا: وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ کہ ابراہیم مشرک نہیں تھے، یعنی جو ادا ابراہیم علیہ السلام کی رب العزت والجلال کو سب سے زیادہ بھائی، جو صفت سب سے زیادہ پسند آئی وہ یہ کہ شرک میں گلے تک ڈوبے خاندان، قبیلے اور قوم سے تعلق رکھنے کے باوجود ابراہیم نے اپنے دین کو شرک کی غلاظتوں سے بچا لیا، ایک ایسے معاشرے میں پیدا ہوئے جہاں چاند ستاروں کی پرستش کا بھی رواج تھا، بتوں کی پوجا بھی ہوتی تھی، بادشاہ کو بھی معبود سمجھا جاتا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہر محاذ پر شرک اور مشرکین کا دلائل و براہین سے مقابلہ کیا۔

حضرت ابراہیم مشرک قوم کے موحد فرد تھے، مشرک

اکثریت کے بیچ ان کی حیثیت مسلم اقلیت کی تھی۔

اس حیثیت سے حضرت ابراہیم کی سیرت خصوصی طور پر کافر ملکوں میں رہنی والی مسلم اقلیتوں کے لیے نمونہ ہے، شرک اور بت پرستی کے ماحول میں اپنے دین اور شریعت، ایمان وعقیدہ کی حفاظت کیسے کی جائے اور کافر ومشرک اکثریت تک عقیدہ توحید کی دعوت کے لیے کیا اسلوب ووسائل اختیار کیے جائیں، حضرت ابراہیم کی سیرت کا یہ ایک بہت اہم پہلو ہے جس کو سامنے رکھ کر مسلم اقلیتوں بالخصوص ہندستان کے اہل توحید کو اپنے دین وایمان کی حفاظت اور دعوت کا منصوبہ مرتب کرنا چاہیے۔

توحید ایک مسلمان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتا ہے، اور اس گراں مایہ سامان کی حفاظت اس کا اولین فریضہ ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اس حیثیت سے اسوہ ہے کہ انہوں نے شرکیہ ماحول میں آنکھیں کھولی، ایک مشرک قوم کے بیچ رہ کر توحید کی دعوت کا حق بھی ادا کیا عقیدہ توحید پر آنچ بھی نہیں آنے دی، دعوت کے حوالے سے اپنی قوم سے خیر خواہی اور ہمدردی کا جو حق تھا وہ بھی پورا پورا ادا کیا لیکن توحید کے معاملہ میں کسی طرح کا سمجھوتہ اور مداہنت بھی قبول نہیں کی۔

اخلاص توحید کا حق ہے، اللہ رب العزت کو اس معاملہ میں مداہنت قطعی طور پر قبول نہیں، توحید کے معاملہ میں کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا، جہاں سمجھوتے والی بات ہو وہاں داعی توحید کا لہجہ دو ٹوک ہونا چاہیے، کفر اور کفار کے معاملہ میں اس کا موقف واضح اور بے لاگ ہونا چاہیے، جہاں باطل سمجھوتے کی بات کریں وہاں خطاب "يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ" کے لہجے میں ہوتا ہے اور دو دو بار وضاحت کی جاتی ہے۔(لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ، وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ، وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ ،وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ) اور اپنا موقف صاف لفظوں میں باطل کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔

شرک کے ساتھ لاتعلقی اور برات کا یہ لہجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت میں بالکل نمایاں ہے۔

(قَالَ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ۔أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ۔فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ) (الشعراء: 75-77) ابراہیم نے کہا: کیا کچھ خبر بھی ہے وہ سب جنہیں تم پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا، یہ سب میرے دشمن ہیں بجز ایک رب العالمین کے۔

(قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ) (الانعام:78) ابراہیم پکار اٹھا: اے برادران قوم! میں بری وبے زار ہوا ان سب سے جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو

(وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۔إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ) (الزخرف: 26-27)

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا: تم جن کی بندگی کرتے ہو میں ان سے صاف بری وبیزار ہوا۔ میرا تعلق ہے تو صرف اس ذات سے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی ذات ہے جو میری رہنمائی کرے گی۔

(قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ)

(مسلمانو!) تمہارے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا: ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو ان سب سے بری وبے زار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کیلئے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔

آج کے اس پر فتن دور میں جب مداہنت کو سیکولرازم اور لبرلزم کا حسین عنوان دے دیا گیا ہے، اور قومی دھارے میں شمولیت، رواداری اور قومی کلچر کا حوالہ دے کر قسم قسم کے شرک حلال کیے جا رہے ہیں حضرت ابراہیم کی سیرت کا یہ پہلو بہت اہم ہے کہ وہ اسی عقیدہ توحید کی حفاظت کے لیے پوری قوم کے سامنے کھڑے ہوگئے، اپنی جان، مال سب کچھ پر لگا دی لیکن عقیدہ توحید کے ساتھ کسی طرح کا سمجھوتہ برداشت نہیں کیا۔

شرک اور مشرکین سے برأت کے یہ مطلب قطعی نہیں کہ ان کے ساتھ حسن سلوک اور اخلاق جمیلہ کا تعلق بھی ختم کرلیا جائے اور درمیان میں قطع تعلقی کی ایسی دیوار حائل کردی جائے جسے دعوت کے سارے راستے مسدود ہوجائیں۔

شرک اور مشرکین سے برأت کے معاملہ میں بھی موحد کو اعتدال کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (الممتحنۃ:8)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت میں اعتدال بھی ہے، تدریج بھی ہے، وقت اور حالات کے تقاضوں کی رعایت بھی ہے، اپنے مدعو کیلئے حسن خلق بھی ہے، ہمدردی اور خیر اخواہی کے جذبات بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ شرک سے انتہاء درجے کی برأت بھی ہے، یہ ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کا بہت بڑا کمال ہے۔

اپنے والد سے خطاب کیا تو یا ابت کہہ کر خطاب کیا، قوم سے مخاطب ہورہے ہیں تو یا قومی کہہ کر خطاب کررہے ہیں۔ والد کے مسلسل انکار کے باوجود ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ ہے کہ جدا ہوتے ہوتے بھی استغفار کا وعدہ کررہے ہیں۔

حضرت ابراہیم کا یہ رویہ ہمارے لیے اسوہ ہے کہ حسن خلق ایک داعی کی لازمی صفت ہوتی ہے، مدعو جب تک داعی کو اپنے لیے خیر خواہ تسلیم نہیں کرے گا، اس کی دعوت قبول نہیں کرسکتا۔

حضرت ابراہیم کی دعوت میں تدریج ہے، دعوت کا مشن ایسے ہی مرحلہ وار آگے بڑھتا ہے، حضرت ابراہیم کی دعوت کی شروعات سوالوں سے ہوتی ہے، اپنے والد سے سوال، اپنی قوم والوں سے سوال، یہ سوالات اس لیے تھے کہ مشرکین کی عقل پر پڑا پردہ ہٹ سکے، غور وفکر کو راستہ ملے، باپ دادا کی اندھی تقلید کا خاتمہ ہو، تحقیق حق کا جذبہ بیدار ہو۔

جب غور وفکر کے سارے حوالے اپنے والد اور قوم کے سامنے رکھ چکے تو آخر میں ان کو اللہ کی طرف سے عذاب شدید کی وعید سنائی۔

تدریج ہی کا یہ اسلوب نمرود کے سامنے بھی اختیار کیا، اس کو پہلی دلیل توحید سمجھانے کے مقصد سے دی، لیکن جب اس نے سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اتنی کھلی اور عام فہم دلیل تسلیم کرنے سے انکار کردیا تو اللہ کی ربوبیت کی ایسی دلیل پیش کی جس کا موٹے عقل کا مشرک بادشاہ جواب کیا دیتا مبہوت ہوکر رہ گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جہاں جہاں شریعت نے اجازت دی وہاں رخصتوں کا استعمال بھی ہے، جہاں ضرورت ہوئی تعریض اور توریہ سے بھی کام لیا۔ یعنی داعی حالات کے تقاضوں کے تحت حالت استضعاف میں کبھی شریعت کی رخصتوں کا بھی استعمال کرسکتا ہے لیکن اس حالت میں بھی یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ رخصت پر عمل مجبوری کی حالت میں ہوتا ہے، اس کو عزیمت کی طرح قبول کرلینا اور اس پر مطمئن اور راضی ہوجانا شریعت کے خلاف ہے۔

غرضیکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت بالعموم دعاۃ کے لیے اور بالخصوص حالت استضعاف میں دین وایمان کی حفاظت اور دعوت کے لیے بہت سارے اسباق موجود ہیں جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

❖ ❖ ❖

[۱۱]

قرآن وسنت کے نصوص میں نور وظلمات

ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوقحافہ کو فتح مکہ کے روز لایا گیا، ان کے سر اور داڑھی کے بال ثغامہ کی مانند سفید تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"غيروا هذا بشيء واجتنبوا السواد" (صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینہ، باب استحباب خضاب الشیب بصفرۃ أوحمرۃ وتحریمہ بالسواد، ۳/ ۱۶۶۳، حدیث (۲۱۰۲))۔

اسے کسی چیز سے بدل لو اور سیاہی سے اجتناب کرو۔

''ثغامہ'' ایک سفید پودا ہے جس کا پھول اور پھل دونوں سفید ہوتا ہے، بالوں کی سفیدی کو اس سے تشبیہ دی گئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ ایک درخت ہے جو برف یا نمک کی طرح سفید ہوتا ہے (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم، للقرطبی، ۵/ ۴۱۸)۔

فرمان نبوی ''اسے کسی چیز سے بدل لو'' سفیدی کے بدلنے کا حکم ہے، یہی خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت نے بھی کہا ہے، لیکن کسی نے اس کے وجوب کی بات نہیں کہی ہے بلکہ یہ مستحب ہے (مصدر سابق، ۵/ ۴۱۸۔ میں (راقم الحروف) نے علامہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ کو مورخہ ۲۱/ ۸/ ۱۴۱۸ھ کو سنن نسائی کی حدیث (۵۰۷۳) کی شرح کرتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا: ''خضاب سنت موکدہ ہے واجب نہیں'')۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لوگوں کا یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ نے خضاب نہیں لگایا' صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ سے صحیح سندوں کی بنیاد پر ثابت ہے کہ آپ نے مہندی اور زردی (پیلے رنگ) کا خضاب لگایا ہے'' (مصدر سابق، ۵/ ۴۱۸)۔

شاید امام قرطبی رحمہ اللہ کا اشارہ ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کی (درج ذیل) حدیث کی طرف ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں:

"أتيت أنا وأبي النبي ﷺ، وكان قد لطخ لحيته بالحناء" (سنن نسائی، کتاب الزینہ، باب الخضاب بالحناء والکتم، ۸/ ۱۴۰، حدیث (۵۰۸۳)، وابوداود، کتاب الترجل، باب فی الخضاب، ۴/ ۸۶، حدیث (۴۲۰۶)، علامہ البانی نے اسے صحیح سنن نسائی (۳/ ۱۰۴۴) میں صحیح قرار دیا ہے)۔

یعنی میں اور میرے ابا جان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (دیکھا کہ) آپ اپنی داڑھی مبارک کو حنا (مہندی) سے رنگے ہوئے تھے۔

نیز انہی سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں:

"أتيت النبي ﷺ ورأيته قد لطخ لحيته بالصفرة" (سنن نسائی، کتاب الزینہ، باب الخضاب بالحناء والکتم، ۸/ ۱۴۰، حدیث (۵۰۸۴)، وابوداود، کتاب الترجل، باب فی الخضاب، ۴/ ۸۶، حدیث (۴۲۰۸)، علامہ البانی نے اسے صحیح سنن نسائی (۳/ ۱۰۴۴) اور مختصر الشمائل المحمدیہ (ص/ ۴۰، ۴۱ حدیث: ۳۶، ۳۷) میں صحیح قرار دیا ہے)۔

میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو دیکھا کہ آپ اپنی داڑھی مبارک کو زرد رنگ سے رنگے ہوئے ہیں۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: ''میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنی داڑھی کو زرد رنگ سے رنگتے ہوئے دیکھا، تو میں نے عرض کیا اے ابوعبدالرحمن! آپ اپنی داڑھی کو خلوق (ایک قسم کی خوشبو جس کا رنگ زرد کے قریب ہوتا ہے) سے رنگتے ہیں!! انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ اپنی داڑھی کو زرد کرتے تھے، اور اس سے زیادہ کوئی رنگ آپ کو محبوب نہ تھا'' (سنن نسائی، کتاب الزینہ، باب الخضاب بالصفرہ، ۸/۱۴۰، حدیث (۵۰۸۵)، علامہ البانی نے اسے صحیح سنن نسائی (۳/۱۰۴۴) میں صحیح قرار دیا ہے)۔

یہ تو رہے نبی کریم ﷺ کے عملی دلائل، آپ کی قولی حدیثوں سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

چنانچہ ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" إن أحسن ما غيرتم به الشيب: الحناء والكتم" (سنن نسائی، کتاب الزینہ، باب الخضاب بالحناء والکتم، ۸/۱۳۹، حدیث (۵۰۷۷-۵۰۸۰)، نیز بروایت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ، حدیث (۵۰۸۱، ۵۰۸۲) و ابوداود، کتاب الترجل، باب ''فی الخضاب''، ۴/۸۵، حدیث (۴۲۰۵))۔

سب سے بہتر چیز جس سے تم اپنے بالوں کی سفیدی بدلو گے حنا (مہندی) اور کتم (ایک پودا جس سے سیاہی مائل سرخ رنگ پیدا ہوتا ہے) ہیں۔

۱۱- اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا جس نے اپنے بالوں میں مہندی لگا رکھی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: **"ما أحسن هذا؟"** کیا خوب ہے یہ! فرماتے ہیں کہ ایک دوسرا شخص گزرا جو اپنے بالوں کو مہندی اور کتم دونوں سے رنگا تھا، تو آپ نے فرمایا: **"هذا أحسن من هذا"** یہ اس (پہلے) سے بھی بہتر ہے، بیان کرتے ہیں کہ پھر ایک تیسرے شخص کا گزر ہوا، جس نے اپنے بالوں میں زرد خضاب لگا رکھا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: **"هذا أحسن من هذا كله"** یہ اُن تمام سے بہتر ہے (سنن ابو داود، کتاب الترجل، باب ماجاء فی خضاب الصفرہ، ۴/۸۶، حدیث (۴۲۱۱) علامہ البانی نے مشکاۃ المصابیح کی تحقیق میں فرمایا ہے: ''اس کی سند جید ہے'' ۲/۱۲۶۶)۔

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ''نبی کریم ﷺ سبتی (سبتی ''سبت'' کی طرف منسوب ہے جس کے معنیٰ دباغت دی ہوئی اور بال اتاری ہوئی جلد کے ہیں، اور دباغت ایک مخصوص عمل کو کہتے ہیں جس سے جلد کی رطوبت اور بدبو زائل ہوجاتی ہے، آپ ﷺ ایسی ہی جلد سے بنا ہوا جوتا پہنا کرتے تھے۔ (مترجم)) جوتے پہنتے تھے اور اپنی داڑھی مبارک کو ورس (ایک خوشبو دار پودا جس کا رنگ سرخ کے قریب ہوتا ہے) اور زعفران (ایک خوشبو دار پودا جس کا رنگ گیروا ہوتا ہے) سے زرد کرتے تھے'' اور ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے (سنن نسائی، کتاب الزینہ، باب تصفیر اللحیۃ بالورس والزعفران، ۸/۱۸۶، حدیث (۵۲۴۴)، و ابوداود، کتاب الترجل، باب ما جاء فی خضاب الصفرہ، ۴/۸۶، حدیث (۴۲۱۰)، علامہ البانی نے اسے صحیح سنن نسائی (۳/۱۰۶۵، حدیث:۴۸۳۹) اور صحیح سنن ابو داود (۲/۷۹۲) میں صحیح قرار دیا ہے)۔

میں (راقم الحروف) نے علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ: ''زردی استعمال کرنے کا ذکر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیحین میں بھی وارد ہے، اور داڑھی یا مونچھ یا سر کے بال زعفران کے استعمال سے مستثنیٰ ہیں'' (یہ بات میں نے علامہ رحمہ اللہ سے مورخہ ۱۰/۱۱/۱۴۱۸ھ

بروز اتوار، بعد نماز مغرب جامع امیرہ سارہ میں سنن نسائی کی حدیث (۵۲۴۴) کی شرح کرتے ہوئے سنا ہے)۔

نیز یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''مہندی یا زرد رنگ یا مہندی اور کتم کا خضاب لگانا سنت ہے'' (یہ بات میں نے علامہ رحمہ اللہ سے مورخہ ۲۴/۸/۱۸/۱۴ھ کو مذکورہ مقام پر سنن نسائی کی حدیث (۵۰۸۵) کی شرح کرتے ہوئے سنا ہے)۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جہاں تک خالص مہندی اور مہندی اور کتم کا خضاب لگانے کی بات ہے تو اس میں اختلاف کرنا مناسب نہیں' کیونکہ اس بارے میں حدیثیں صحیح ہیں البتہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس میں مسئلہ دو حالتوں پر محمول ہے:

۱-ملک (یا شہر) کی عادت، چنانچہ جس شخص کے یہاں کا (ماحول) خضاب نہ لگانا ہو اس کا ماحول کے خلاف عمل کرنا ایک قبیح اور ناپسندیدہ شہرت ہے۔

۲-بالوں کی سفیدی میں لوگوں کے حالات کا مختلف ہونا، چنانچہ بعض صاف ستھرے سفید بال خضاب شدہ بالوں سے خوبصورت لگتے ہیں، اور اس کے برعکس بھی ہوتا ہے، لہٰذا جسے خضاب برا لگے وہ اس سے اجتناب کرے' اور جسے اچھا لگے وہ استعمال کرے، اور خضاب کے دو فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: گرد وغبار اور دھوئیں وغیرہ سے بالوں کی حفاظت۔

دوسرا فائدہ: اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کی مخالفت (المفھم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم، ۵/۴۲۰)، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''إن اليهود والنصارى لا يصبغون فخالفوهم'' (متفق علیہ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل، ۴/۱۷۵ حدیث (۳۴۶۲) وصحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب فی مخالفۃ الیہود فی الصبغ، ۳/۱۶۶۳، حدیث (۲۱۰۳))۔

یہود ونصاریٰ اپنے بالوں کو نہیں رنگتے ہیں، لہٰذا ان کی مخالفت کرو۔

مزید فرماتے ہیں: ''لیکن یہ بالوں کا رنگنا سیاہی کے علاوہ سے ہوگا، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **''واجتنبوا السواد''** یعنی سیاہی سے اجتناب کرو، واللہ اعلم'' (المفھم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم، ۵/۴۲۰)۔

نیز فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کے فرمان **''واجتنبوا السواد''** یعنی سیاہی سے اجتناب کرو، کالے خضاب سے اجتناب کرنے کا حکم ہے، اور ایک جماعت نے اسے ناپسند کیا ہے، ان میں سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمہ اللہ بھی ہیں، اس حدیث سے ظاہر بھی یہی ہوتا ہے، اس (کالے سے اجتناب) کی علت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ یہ عورتوں سے حیلہ اپنانے کے قبیل سے ہے، اور یہ کہ وہ چہرے میں سیاہی ہے، لہٰذا ناپسندیدہ ہے' کیونکہ یہ جہنمیوں کے حلیہ سے مشابہت رکھتا ہے'' (مصدر سابق، ۵/۴۱۹)۔

پھر آپ (امام قرطبی رحمہ اللہ) نے سلف صالحین کی ایک بڑی جماعت کا ذکر کیا ہے' جو اپنے بالوں کو سیاہی سے رنگا کرتے تھے، اور فرمایا ہے کہ ''میں نہیں جانتا کہ ابو قحافہ کی حدیث کے تئیں ان کا کیا عذر ہو سکتا ہے؟ لہٰذا اس کا کم سے کم درجہ کراہت ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے'' (مصدر سابق، ۵/۴۱۹)۔

میں (راقم) کہتا ہوں کہ جہاں تک سلف رحمہم اللہ جو سیاہی کا استعمال کیا کرتے تھے ان کے عذر کی بات ہے تو وہ اس بات پر محمول ہے کہ انہیں سیاہی سے رنگنے کے بارے میں صریح ممانعت کی حدیث نہیں پہنچی تھی، واللہ اعلم۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہمارا مذہب یہ ہے کہ مرد

وعورت کے لئے بالوں کو زرد یا سرخ سے رنگنا مستحب ہے اور صحیح ترین قول کے مطابق کالا خضاب لگانا حرام ہے'' (صحیح مسلم بشرح نووی، ۱۴/ ۳۲۵)۔

سیاہ خضاب کی حرمت کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ اور ان کے موافقین کے اختیار کردہ رائے کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''يكون قوم يخضبون في آخر الزمان بالسواد كحواصل الحمام، لا يريحون رائحة الجنة'' (سنن ابوداود، کتاب الترجل، باب ماجاء فی خضاب السواد، ۴/ ۸۷، حدیث (۴۲۱۲)، وسنن نسائی کتاب الزینہ، باب النہی عن الخضاب بالسواد، ۸/ ۱۳۸، حدیث (۵۰۷۵)، ومسند احمد، ۱/ ۲۷۳، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۶/ ۴۹۹) میں فرمایا ہے: ''اس حدیث کی سند قوی ہے'' نیز علامہ البانی نے اس کی سند کو غایۃ المرام فی تخریج احادیث الحلال والحرام میں صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ شیخین (امام بخاری ومسلم) کی شرط پر ہے، ص ۸۴)۔

آخری زمانہ میں کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو کبوتر کے سینہ کی مانند کالا خضاب لگائیں گے، ایسے لوگ جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گے۔

میں (راقم) نے سماحۃ الامام علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کو اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''اس حدیث کی سند جید (عمدہ) ہے، اور یہ حدیث بالوں کو سیاہی سے بدلنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اور اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے، کیونکہ یہ وعید ہے'' (یہ بات میں نے آں رحمہ اللہ سے مورخہ ۲۱/ ۸/ ۱۴۱۸ھ کو بروز اتوار بعد نماز مغرب بدیعہ کی جامع امیرہ سارہ میں سنن نسائی کی حدیث (۵۰۷۵) کی شرح کرتے ہوئے سنا ہے)۔

اور فرمان نبوی ﷺ: **''كحواصل الحمام''** کا مطلب ہے، یعنی کبوتر کے سینہ کی مانند، عام طور پر، کیونکہ بعض کبوتروں کے سینے سیاہ نہیں ہوتے (دیکھئے: شرح الطیبی علی مشکاۃ المصابیح، ۹/ ۲۹۳۳، ومرقاۃ المفاتیح، لملا علی القاری، ۸/ ۲۳۲)۔

کالے خضاب کی قباحت پر بعض سلف جو کالا خضاب لگایا کرتے تھے، ان کا درج ذیل قول بھی دلالت کرتا ہے:

نسود أعلاها وتأبى أصولها
ولا خير في الأعلى إذا فسد الأصل

(شرح مشکل الآثار للطحاوی، ۹/ ۳۱۴)

ہم بالوں کے اوپری حصہ کو سیاہ کرتے ہیں، جبکہ ان کی جڑیں یونہی رہتی ہیں، اور جب اصل (جڑ) ہی خراب ہو تو اوپری حصہ میں کوئی بھلائی نہیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صحیح بات یہ ہے کہ اس باب کی حدیثوں میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بالوں کی سفیدی کے بدلنے کے تعلق سے جن باتوں سے منع فرمایا ہے وہ دو چیزیں ہیں:

ایک اسے اکھیڑنا، اور دوسرے اس میں کالا خضاب لگانا۔

اور جن چیزوں کی اجازت دی ہے وہ اسے رنگنا اور کالے خضاب کے علاوہ جیسے مہندی اور کتم وغیرہ سے اسے بدلنا ہے، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی عمل رہا ہے۔۔۔ رہا کالا خضاب تو اسے اہل علم کی ایک جماعت نے ناپسند کیا ہے، اور سابقہ دلائل کی روشنی میں بلا شبہ یہی درست بھی ہے، امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا آپ کالا خضاب ناپسند کرتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں اللہ کی قسم! یہ ان مسائل میں سے ہے جن پر انھوں نے قسم کھائی ہے۔۔۔ اور اس مسئلہ میں کچھ لوگوں

نے رخصت دی ہے، ان میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متبعین ہیں، اور حضرات حسن، حسین، سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن جعفر اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے، لیکن ان حضرات سے اس کا ثبوت محل نظر ہے، اور (بالفرض) اگر ثابت بھی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالمقابل کسی کی بات کا کوئی اعتبار نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سب سے زیادہ مستحق اتباع ہے، گرچہ مخالفت کرنے والے اس کی مخالفت کریں" (تہذیب ابن القیم، مطبوع مع معالم السنن الخطابی، ۶/ ۱۰۴، نیز دیکھئے: غذاء الالباب لشرح منظومۃ الآداب، للشیخ محمد السفارینی، ۱/ ۴۱۵-۴۲۰، و ۴۲۱-۴۲۸)۔

سفید بالوں اور ان کی تبدیلی کے بارے میں وارد احادیث کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) سفید بال دنیا وآخرت میں مومن کا نور ہے۔

(۲) سفید بالوں کے اکھیڑنے کی ممانعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

(۳) سفید بالوں سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۴) سفید بالوں سے درجات بلند ہوتے ہیں۔

(۵) سفید بالوں سے گناہ مٹائے جاتے ہیں۔

(۶) بالوں میں کالا خضاب استعمال کرنے کی حرمت۔

(۷) سفید بالوں کو مہندی، یا زرد رنگ یا مہندی اور کتم کے ذریعہ رنگنا سنت موکدہ ہے۔

(۸) مہندی کا رنگ سرخ اور مہندی اور کتم کا رنگ سیاہی و سرخی کے مابین ہوتا ہے۔

(۹) سلف صالحین میں سے جنھوں نے بالوں میں کالے خضاب کا استعمال کیا ان کے پاس کتاب وسنت کی کوئی دلیل نہیں۔

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مقابل کسی کے قول کا کوئی اعتبار نہیں خواہ کوئی بھی ہو۔

(۱۱) بالوں کی سفیدی کے درازی عمر کے علاوہ بھی کئی اسباب ہیں۔

چنانچہ بسا اوقات خوف الہی یا دوسرے کسی سبب سے بھی بال جلدی سفید ہوجاتے ہیں، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے بال سفید ہوگئے؟ تو آپ نے فرمایا:

"شيبتني هود، والواقعة، والمرسلات، وعم يتسآء لون، و إذا الشمس كورت" (جامع الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الواقعہ، ۵/ ۴۰۲، حدیث (۳۲۹۷) اور انھوں نے اس کی تحسین فرمائی ہے، نیز علامہ البانی نے اسے مختصر شمائل الترمذی، (ص ۴۰، حدیث: ۳۴) میں صحیح قرار دیا ہے)۔

سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ عم یتساء لون (نبا) اور سورۂ اذا الشمس کورت (تکویر) نے مجھے بوڑھا کر دیا (میرے بال سفید کر دیئے)۔

ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے بال سفید ہوگئے! تو آپ نے فرمایا:

"شيبتني هود وأخواتها" (الشمائل للترمذی، اور علامہ البانی نے مختصر شمائل الترمذی (ص ۴۰، حدیث: ۳۵) میں صحیح قرار دیا ہے)۔

سورۂ ہود اور اس کی بہنوں (ہم موضوع سورتوں) نے میرے بال سفید کر دیئے۔

اللہ عزوجل ہی درستی کا توفیق دہندہ ہے۔

❖ ❖ ❖

احکام ومسائل

حج مسنون کا طریقہ

محمد مقیم فیضی

الحمدلله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على رسولنا محمد وعلى آله و صحبه أجمعين امابعد.

حج افضل ترین عبادت اور اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور صاحب استطاعت مسلمان مرد اور عورت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے۔مگر کوئی بھی عبادت اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس میں دو شرطیں نہ پائی جائیں: (۱) وہ کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے اور اسی کا نام اخلاص ہے۔(۲) وہ عبادت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہو۔اس لئے ایک حاجی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاص نیت کے ساتھ حج کرنے سے پہلے اس کا مسنون طریقہ معلوم کرلے تاکہ اس کا حج اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو اور اسے اس کا پورا پورا ثواب ملے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: حج مبرور (اخلاص اور اطاعت پر مبنی حج) کی جزا جنت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ (بخاری، مسلم) مزید فرمایا: جس نے حج کیا اور اس میں نہ اس نے فحش باتیں کیں نہ گناہ کے کام کئے تو وہ اس دن کی طرح ہوکر جاتا ہے جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ (بخاری ومسلم) ان کے علاوہ بھی حج کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں، ذیل میں حج کا مسنون طریقہ اختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے تاکہ جو شخص سنت کی پابندی کرنا چاہے وہ اس سے استفادہ کرسکے۔

احرام سے پہلے:

(۱) حج یا عمرہ کرنے والے کے لئے احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے چاہے وہ کوئی حائضہ یا نفاس والی خاتون ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) اس کے بعد مرد جس کپڑے میں سے چاہے ایک تہبد اور چادر پہن کر احرام باندھ لے البتہ سلا ہوا کپڑا نہ پہنے اور جوتا چپل میں سے جو چاہے پہن لے مگر یہ خیال رہے کہ اس سے ٹخنے نہ چھپنے پائیں۔

(۳) مرد کوئی ٹوپی یا عمامہ وغیرہ نہ پہنے جو سر کو براہ راست ڈھانپ لیتے ہیں۔اور عورت اپنے شرعی لباس میں سے کوئی کپڑا نہیں اتارے گی بلکہ جس کپڑے میں ہے اسی میں حج کرے گی البتہ وہ اپنے چہرے پر نقاب، برقع یا رومال وغیرہ نہیں باندھ سکتی ہے نہ دستانے پہن سکتی ہے، ہاں اوڑھنی یا کوئی اور کپڑا جو سر سے لٹک کر چہرہ چھپالے استعمال کرسکتی ہے۔

(۴) احرام کا کپڑا گھر سے پہن کر نکل سکتے ہیں مگر محرم ہونے کے لئے میقات پر پہنچنا شرط ہے، اس لئے میقات سے ذرا پہلے ہی محرم بنیں تاکہ ہوائی جہاز وغیرہ سے گزرتے ہوئے محرم ہوئے بغیر میقات نہ پار کرجائیں۔

(۵) احرام سے پہلے مرد جس طرح کی چاہیں اپنے بدن پر خوشبو لگاسکتے ہیں البتہ اس کا رنگ ظاہر نہیں ہونا چاہئے ہاں عورتوں کی خوشبو وہ ہوتی ہے جس میں رنگ تو ہوتا ہے مگر بو نہیں

ہوتی ہے، میقات پر محرم ہوجانے کے بعد خوشبو حرام ہوجاتی ہے۔

(۶) جب میقات پر پہنچ جائے تو محرم ہوجانا واجب ہے اور محض دل میں حج کے قصد اور ارادے سے یہ کام نہیں ہوگا کیونکہ نیت اور قصد تو اسی وقت سے موجود ہے جب سے وہ اپنے گھر سے نکلا ہے، اس کے لئے کوئی ایسا قول یا عمل ضروری ہے جس سے وہ محرم ہوجائے، لہٰذا اگر وہ محرم ہونے کے ارادے سے تلبیہ پڑھ لے تو اس کا احرام بالاتفاق منعقد ہوجائے گا اور اس کے ذریعہ وہ محرم ہوجائے گا۔

(۷) تلبیہ سے پہلے زبان سے کچھ نہیں کہے، مثلاً یہ کہ میں حج کی نیت کرتا ہوں لہٰذا تو اسے میرے لئے آسان کردے اور اسے قبول کرلے وغیرہ، کیونکہ یہ سب بدعت ہے۔

- احرام باندھنے سے پہلے کوئی مخصوص نماز نہیں ہے لیکن اگر کسی فرض نماز کا وقت ہو اور وہ نماز پڑھنے کے بعد احرام باندھیں تو اسوۂ رسول کے مطابق ہوجائے گا کیونکہ آپ نے ظہر کی نماز کے بعد احرام باندھا تھا

- اور اگر کسی بیماری کا خطرہ ہو یا کوئی خوف لاحق ہو تو تلبیہ کے ساتھ اپنے رب سے یہ شرط کرلیں کہ: "اَللّٰهُمَّ مَحِلِّيْ حَيْثُ حَبَسْتَنِيْ"، اے اللہ میں وہیں حلال ہوجاؤں گا جہاں تو مجھے روک لے گا تو پھر حج یا عمرہ میں کسی مجبوری کی وجہ سے حلال ہوجانے پر نہ دم دینا پڑے گا نہ آئندہ سال حج یا عمرے کی قضاء کرنی ہوگی۔ البتہ اگر وہ فریضۂ اسلام والا حج ہوگا تو اس کی قضا ہر حال میں لازم ہوگی۔

میقات:

(۸) میقات کل پانچ ہیں:

(۱) ذوالحلیفہ جو اہل مدینہ کا میقات ہے۔

(۲) جحفہ جو اہل شام، مصر اور تمام مغرب کا میقات ہے، آج یہ ویران ہے اس لئے لوگ اس سے پہلے رابغ سے احرام باندھتے ہیں۔

(۳) قرن المنازل یا قرن الثعالب (موجودہ سیل کبیر)، یہ اہل نجد کا میقات ہے۔

(۴) یلملم: اہل یمن کا میقات ہے اور اہل ہند کے لئے بھی یہی میقات ہے۔

(۵) ذات عرق اہل عراق کا میقات ہے۔

حج کی اقسام:

حج کی تین قسمیں ہیں: (۱) تمتع (۲) افراد (۳) قِران

حج تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں صرف عمرہ کا احرام باندھے، اور حج کے مہینے تین ہیں: شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ۔ پھر جب مکہ پہنچ جائے تو عمرہ کے لئے طواف وسعی کرے اور بال کٹا کر یا منڈا کر حلال ہوجائے اور اپنا احرام کھول دے، پھر یوم الترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو جہاں ہے وہیں سے تنہا حج کا احرام باندھ کر اس کے لئے محرم ہوجائے اور حج کے تمام اعمال انجام دے۔ تمتع کرنے والا ایک کامل عمرہ اور کامل حج کرتا ہے۔

افراد: یہ ہے کہ آدمی صرف حج کے لئے احرام باندھے اور جب مکہ پہنچ جائے تو طواف قدوم اور حج کی سعی کرلے مگر بال کٹائے نہ سر منڈائے، نہ احرام کھولے بلکہ عید کے دن جمرۂ عقبہ کو کنکڑی مارنے تک محرم ہی رہے اور جمرہ عقبہ کو کنکری مارنے کے بعد حلال ہو، اور اگر حج کی سعی کو طواف حج کے بعد تک کے لئے موخر کردے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: علامہ البانی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے حج افراد کا تلبیہ پڑھا ہو تو اس کو چاہئے کہ اسے فسخ کرکے اسے عمرہ کا احرام بنادے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ عمرہ قیامت تک کے لئے حج میں داخل ہوگیا ہے... اور فرمایا کہ اے آل محمد تم میں سے جو حج کرے وہ حج میں عمرہ کو بھی شامل کرلے۔

قِران : یہ ہے کہ عمرہ اور حج دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھے یا پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور اس کا طواف شروع کرنے سے پہلے حج کو بھی اس میں داخل کرلے (اور وہ اس طرح ہوگا کہ وہ یہ نیت کرے کہ اس کا یہ طواف اور سعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہیں) قارن کا سارا معاملہ حج افراد کرنے والے ہی کی طرح ہے، البتہ قارن پر ہدی (یعنی قربانی) ہے جو افراد کرنے والے پر نہیں ہے۔

ان تینوں میں سب سے افضل حج تمتع ہی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ہدی کا جانور نہ لانے والے تمام صحابہ کو یہی حکم دیا تھا۔

(۹) میقات پر محرم ہوتے وقت اگر قارن ہو تو کہے: **لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ**. اور اگر حج تمتع کر رہا ہو تو کہے: **لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ بِعُمْرَةٍ**. اور اگر حج افراد کر رہا ہو تو کہے: **لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ حَجًّا**. ہندوستان سے جانے والے حاجی عام طور پر حج تمتع ہی کرتے ہیں اس لئے **لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ بِعُمْرَةٍ** کا تلبیہ اچھی طرح یاد کرلیں۔

اس کے بعد یہ دعا بھی پڑھیں: **اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ حَجَّةٌ لَا رِيَاءَ فِيْهَا وَلَا سُمْعَةَ**. (یعنی اے اللہ یہ ایسا حج ہے جس میں نہ کوئی ریاکاری ہے نہ شہرت طلبی) (۱۰) اس کے بعد نبی ﷺ کا تلبیہ:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ.

پڑھیں۔ اور آپ ﷺ اپنے تلبیہ میں "**لَبَّيْكَ اِلٰهَ الْحَقِّ**" بھی پڑھا کرتے تھے، اور حضرت ابن عمر تلبیہ میں اضافہ کرتے ہوئے حسب ذیل دعا بھی پڑھا کرتے تھے: **لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ بِيَدَيْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ**. (نبی ﷺ کے سامنے بعض لوگ: **لَبَّيْكَ ذَا الْمَعَارِجِ لَبَّيْكَ ذَا الْفَوَاضِلِ** بھی پڑھا کرتے تھے) مرد یہ تلبیہ زور زور سے پڑھتے رہیں اور عورتیں صرف اتنی آواز سے پڑھیں کہ بغل والا اسے سن لے، یہ اس صورت میں جبکہ ان کے پاس کوئی غیر محرم آدمی نہ ہو ورنہ وہ چپکے چپکے پڑھ لیں۔ علامہ البانی فرماتے ہیں کہ آواز بلند کرنے میں اگر فتنے کا خوف نہ ہو تو عورتیں بھی مردوں ہی کی طرح ہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بلند آواز سے تلبیہ پڑھا کرتی تھیں۔

(۱۱) تلبیہ کثرت سے پڑھتے رہیں کیونکہ وہ حج کے شعائر میں سے ہے بالخصوص جب بلندی پر چڑھنا ہو یا نشیب میں اترنا ہو تو اس کا خصوصی اہتمام کریں۔

(۱۲) اور ابن مسعود کی حدیث کے مطابق تلبیہ کے ساتھ تہلیل (یعنی لا إله إلا الله بھی) پڑھ سکتے ہیں۔

(۱۳) جب مکہ پہنچ جائیں اور حرم مکی کے پاس کے گھر نظر آنے لگیں تو تلبیہ بند کرکے حسب ذیل کاموں میں مشغول ہوجائیں۔

(۱۴) اگر ممکن ہو تو داخل ہونے سے پہلے غسل کرلیں۔

(۱۵) جب مسجد میں داخل ہوں تو اپنا داہنا قدم پہلے رکھیں اور دعا پڑھیں: **بِسْمِ اللهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ. أَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ.**

(۱۶) جب کعبہ کو دیکھیں تو اگر چاہیں تو اپنے ہاتھوں کو اٹھالیں کیونکہ ایسا کرنا ابن عباس سے ثابت ہے۔

(۱۷) اور اگر چاہیں تو حضرت عمر کی دعا: **اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ.** پڑھ لیں۔

طواف قدوم:

(۱۸) پھر حجر اسود کی طرف بڑھیں اور اس کا استقبال کرکے

بسم اللہ اللہ اکبر پڑھیں۔

(۱۹) اس کے بعد حجر اسود کو (اگر ممکن ہو) ہاتھ سے چھوئیں، منہ سے اسے بوسہ دیں اور اس پر سجدہ بھی کریں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر وابن عباس رضی اللہ عنہم سے ایسا ہی ثابت ہے۔

(۲۰) اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہاتھ سے اسے چھو کر ہاتھ کو چوم لیں۔

(۲۱) اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کی طرف اشارہ کریں۔

(۲۲) اور ایسا ہر طواف میں کریں۔

(۲۳) یہ یاد رہے کہ اس کے لئے کسی کو دھکا دیں نہ اذیت پہنچائیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو اس سے منع فرمایا تھا۔

(۲۴) پھر کعبہ کو بائیں رکھتے ہوئے اس کا طواف شروع کریں اور حجر اسود سے حجر اسود تک ایک چکر پورا کر کے اسی طرح سات چکر لگائیں۔

(۲۵) اور ان ساتوں چکروں میں اضطباع کریں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ احرام کی چادر کو داہنی طرف کی بغل میں ڈال کر بائیں کندھے پر موڑ کر رکھ لیں اور داہنا کندھا کھلا رکھیں۔ اور ایسا نہ اس طواف سے پہلے کریں نہ بعد میں کیونکہ یہ بدعت ہے۔

(۲۶) اور پہلے تین چکروں میں رمل کریں۔ مونڈھے ہلاتے ہوئے تیز چلنے کو رمل کہتے ہیں۔ اور باقی چکر معمول کی چال سے پورے کریں۔

(۲۷) حجر اسود کے پیچھے اور چکر میں حجر اسود تک پہنچنے سے پہلے کعبہ کا جو کنارہ پڑتا ہے اسے رکن یمانی کہتے ہیں، جب جب رکن یمانی پر پہنچیں اس کا استلام کریں یعنی چھو لیں اور اس کو بوسہ نہ دیں نہ ہاتھ چومیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو آگے بڑھ جائیں اور ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ نہ کریں۔

(۲۸) اور رکن یمانی اور حجر اسود کے بیچ میں: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ پڑھیں۔

(۲۹) کعبہ کے باقی دونوں کناروں کو نہ چھوئیں نہ ان کا بوسہ دیں نہ ان کی طرف اشارہ کریں کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا ہے اور ایسا کرنے والے کو صحابہ کرام منع کیا کرتے تھے۔

(۳۰) اگر چاہے اور ممکن بھی ہو تو حجر اسود اور کعبہ کے بیچ کی جگہ (جسے ملتزم کہا جاتا ہے) اپنا سینہ، چہرہ اور بازو لگا کر کھڑا ہو جائے اور جو چاہے دعا وغیرہ کرلے کیونکہ بہت سے صحابہ اور تابعین سے ایسا کرنا ثابت ہے بلکہ حسن درجہ کی مرفوع حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے بھی ایسا ثابت ہے۔

(۳۱) جب سات چکر پورے ہو جائیں تو اپنا کھلا ہوا داہنا کندھا ڈھانپ لیں اور مقام ابراہیم کی طرف آئیں اور یہ آیت پڑھیں: (وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى)

(۳۴) اور مقام ابراہیم کے پیچھے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں اگر وہاں جگہ نہ مل سکے تو کہیں بھی پڑھ لیں۔

(۳۵) ان دونوں میں سے پہلی رکعت میں (قل یا ایہا الکافرون) اور دوسری میں (قل ھو اللہ احد) پڑھیں۔

(۳۶) جب نماز سے فارغ ہو جائیں تو زمزم کی طرف جائیں اور زمزم کا پانی پئیں اور اسے اپنے سر پر بھی ڈالیں۔ یہ دنیا کا سب سے اچھا اور بابرکت پانی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آب زمزم جس مقصد سے بھی پیا جائے اس کے لئے مفید ہے۔

(۳۷) اس کے بعد پھر حجر اسود کی طرف جائیں اور تکبیر کہیں اور گزشتہ تفصیل کے مطابق اس کا استلام کریں۔

صفا ومروہ کے درمیان سعی:

اس کے بعد سعی کے لئے صفا کی طرف روانہ ہوں اور جب

صفا کے قریب پہنچ جائیں تو حسب ذیل آیت اور دعا پڑھیں: (اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ) اس کے بعد کہیں: (نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ) ہم بھی وہیں سے شروع کرتے ہیں جہاں سے اللہ نے شروع کیا ہے۔

(۳۸) اس کے بعد صفا پر چڑھ جائیں یہاں تک کہ کعبہ دکھائی دے (مگر آج ایسا تقریباً ناممکن ہے اس لئے جو ممکن ومیسر ہو کریں)۔

(۳۹) اب قبلہ کی طرف رخ کرلیں اور پڑھیں: اللّٰهُ أكبَرُ، اللّٰهُ أكبَرُ، اللّٰهُ أكبَرُ لا إله إلا اللّٰهُ وَحدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ لَهُ المُلكُ وَلَهُ الحَمدُ يُحيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيءٍ قَدِيرٌ۔

لَا إلٰهَ إلَّا اللّٰهُ وَحدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ أَنجَزَ وَعدَهُ وَنَصَرَ عَبدَهُ وَهَزَمَ الأَحزَابَ وَحدَهُ (یہ دعائیں تین بار پڑھیں) اوران دونوں کے درمیان دنیا وآخرت کی بھلائی کی جو دعا چاہیں مانگ لیں۔

(۴۰) اس کے بعد مروہ کی طرف چلیں اور جب ہرے نشان کے پاس پہنچ جائیں تو دوسرے نشان تک تیز دوڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ ایک کنکریلی وادی تھی اور آپ نے اسے تیز دوڑ کر پار کرنے کی رہنمائی فرمائی ہے۔

فائدہ : عورتوں کے لئے نہ رمل ہے نہ اضطباع اور سعی میں بھی اگر آس پاس مرد ہوں تو دوڑنا نہیں ہے ہاں اگر جگہ خالی ہو تو وہ بھی تیز دوڑیں اس لئے کہ اس کی مشروعیت کی اصل اماں ہاجرہ کا اس جگہ تیز دوڑنا ہے۔

(۴۱) اس کے بعد مناسب چال چلتے ہوئے مروہ کے پاس آئیں اور اس پر چڑھ جائیں اور وہاں بھی قبلہ رو ہو کر وہی دعائیں پڑھیں جو صفا پر پڑھی تھیں۔

(۴۲) اس کے بعد پھر صفا کی طرف جائیں چلنے کی جگہ چلیں اور دوڑنے کی جگہ دوڑیں اور یہ دوسرا چکر ہو جائے گا، وہاں سے پھر مروہ کی طرف جائیں یہ تیسرا چکر ہو جائے گا اور آخری سات چکر مروہ پر پورا ہوگا، اور یہ ساتوں چکر پورے کرلینے پر سعی مکمل ہو جائے گی۔

(۴۳) سواری پر بھی سعی جائز ہے (جس کا آج امکان نہیں ہے) مگر پیدل سعی کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پسند تھا۔

(۴۴) اگر سعی میں یہ دعا پڑھیں: رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ابن مسعود اور ابن عمر اور دیگر بہت سے سلف سے ایسا کرنا ثابت ہے۔

(۴۵) جب مروہ پر ساتواں چکر پورا ہو جائے تو اپنے بال کٹا لیں (اور اگر حج اور عمرہ کے درمیان لمبی مدت ہو تو منڈا لیں) اب آپ کا عمرہ پورا ہو گیا۔ اب اپنا احرام کھول کر جو کپڑا جی میں آئے پہن لیں اور اب وہ سب چیزیں حلال ہو گئیں جو محرم ہونے کے بعد حرام ہو گئی تھیں۔

(۴۶) یہ سہولت متمتع کے لئے ہے مگر جو لوگ قارن ہوں گے وہ یوم النحر کو رمی جمار (کنکڑی مارنے) کے بعد ہی حلال ہوں گے۔ اور یہ بات پہلے ہی بتائی جا چکی ہے کہ حج تمتع ہی افضل ہے۔

یوم الترویہ:

(۴۷) یوم الترویہ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو جہاں ہیں حج تمتع کرنے والے وہیں سے احرام باندھ کر اور حج کا تلبیہ "**لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ حَجًّا**" پڑھ کر محرم بن جائیں اور احرام باندھنے سے پہلے غسل کرلیں اور خوشبو وغیرہ لگائیں اور تلبیہ پڑھتے رہیں اور اس وقت تک بند نہ کریں جب تک جمرۂ عقبہ کو کنکڑی نہ مار لیں۔

(۴۸) پھر منیٰ کی طرف جائیں اور وہاں پہنچ کر ظہر کی نماز ادا کریں اور وہیں رات گزاریں اور ساری نمازیں جمع کئے بغیر قصر کے ساتھ ادا کریں۔

۹/ذی الحجہ کو عرفہ کی طرف روانگی:

(۴۹) جب عرفہ کے دن کا سورج طلوع ہوجائے یعنی نویں ذی الحجہ کو تو تلبیہ یا تکبیر پڑھتے ہوئے عرفہ کی طرف روانہ ہوجائیں۔

(۵۰) اس کے بعد نمرہ میں رک جائیں، یہ جگہ عرفات سے قریب ہے مگر اس کا حصہ نہیں ہے اور وہاں زوال سے پہلے تک رہیں (مگر آج اکثر لوگوں کے لئے یہ ممکن نہیں ہے اس لئے اگر عرفہ کی طرف چلے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے)

(۵۱) جب زوال شمس ہوجائے تو عرفہ کی طرف چلے جائیں اور وہیں رک جائیں، یہ جگہ عرفہ سے پہلے پڑتی ہے اور اسی جگہ پر امام خطبہ دیتا ہے۔ (اگر ممکن نہ ہو تو عرفہ کی طرف چلے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے)

(۵۲) پھر امام کے ساتھ ظہر ہی کے وقت ظہر اور عصر دونوں نمازیں جمع اور قصر کے ساتھ پڑھ لیں۔

(۵۳) ان دونوں نمازوں کے لئے ایک اذان اور دو اقامتیں کہی جاتی ہیں۔

(۵۴) اور ان دونوں نمازوں کے درمیان اور بعد یا پہلے کوئی سنت یا نفل رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

(۵۵) اگر امام کے ساتھ نماز کی ادائیگی ممکن نہ ہو تو تنہا ہی وہ دونوں نمازیں پڑھ لیں یا اپنے ارد گرد کے لوگوں کے ساتھ جماعت بنا کر اسی طرح پڑھ لیں۔

(۵۶) اس کے بعد عرفہ کی طرف جائیں اور وہاں جبل رحمت کے نیچے صخرات کے پاس وقوف کریں (یعنی وہیں ٹھہر جائیں) اور اگر وہاں وقوف کرنا ممکن نہ ہو تو پورا عرفہ موقف ہے جہاں میسر ہو ٹھہر جائیں۔

(۵۷) اب قبلہ رو ہوجائیں اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کریں اور تلبیہ پڑھیں۔

(۵۸) کثرت سے تہلیل کریں اس لئے کہ یہ عرفہ کے دن کی سب سے بہتر دعا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عرفہ کی شام میں نے اور نبیوں نے سب سے افضل جو بات کہی وہ ہے:

"لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ"۔

(۵۹) اور اگر تلبیہ میں: "إِنَّمَا الْخَيْرُ خَيْرُ الْآخِرَةِ" کے الفاظ بڑھا لیں تو جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ سے ایسا ثابت ہے۔

(۶۰) عرفہ میں وقوف کرنے والے کے لئے سنت ہے کہ وہ آج کے دن روزہ نہ رکھے۔

(۶۱) یہ دن انتہائی اہم ہے کیونکہ اسی دن سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے اور فرشتوں کے سامنے ان پر فخر کرتا ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ وقت دعا، ذکر اور تلبیہ ہی میں گزاریں اور اگر تکان محسوس ہونے لگے تو ساتھیوں سے دینی باتیں کرکے ماحول بدل لیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عرفات سے افاضہ یعنی واپسی:

(۶۸) جب سورج غروب ہوجائے تو عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوجائیں، مگر کسی کو دھکا دیں نہ اپنی گاڑی سے کسی کو تکلیف پہنچائیں، اگر جگہ خالی مل جائے تو تیز چلیں۔

(۶۹) جب مزدلفہ پہنچ جائیں تو وہاں اذان دیں اور اقامت کہیں اور مغرب کی تین رکعت ادا کرلیں، پھر اقامت کہیں اور عشاء کی نماز قصر کے ساتھ یعنی صرف دو رکعت پڑھیں اور دونوں نمازیں جمع کرلیں (یہ اس صورت میں جبکہ آدھی رات سے پہلے پہلے مزدلفہ پہنچ جائیں اور اگر آدھی رات گزر جانے کا

خوف ہوتو راستے ہی میں دونوں نمازیں ادا کرلیں)

(۷۰) اور ان دونوں نمازوں کے ساتھ پہلے یا بعد یا درمیان میں کوئی سنت یا نفل نہیں ہے۔

(۷۱) اور اگر ضرورت پڑ جائے تو ان دونوں نمازوں کے درمیان فاصلہ رکھ کے بھی الگ الگ پڑھ سکتے ہیں۔

فجر کی نماز مزدلفہ میں:

(۷۲) کمزور بوڑھوں، مریضوں، معذوروں اور عورتوں کو چھوڑ کر باقی تمام حاجیوں کے لئے مزدلفہ میں فجر کی نماز لازم ہے، ہاں مذکورہ کمزور لوگوں اور عورتوں کے لئے آدھی رات کے بعد مزدلفہ سے نکل جانا جائز ہے۔

(۷۳) اس کے بعد مشعر حرام پر جو مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے آجائیں اور اس پر چڑھ جائیں اور قبلہ رو ہو کر اللہ کی حمد وثنا اور تکبیر وتہلیل اور دعا میں صبح کے خوب روشن ہوجانے تک مشغول رہیں۔

(۷۴) مزدلفہ پورا کا پورا موقف ہے، جہاں بھی وقوف کریں جائز ہے۔اس لئے اگر مشعر حرام کے پاس جانا میسر نہ ہوتو جہاں رہیں وہیں دعاوغیرہ کرلیں۔

(۷۵) پھر اسفار کے وقت یعنی جب صبح خوب روشن ہوجائے تو سورج نکلنے سے پہلے ہی منی کی طرف روانہ ہوجائیں اور سکون واطمینان کے ساتھ تلبیہ پڑھتے ہوئے جائیں۔

(۷۶) جب بطن محسر میں آئیں (جو مزدلفہ اور منی کے درمیان ایک وادی ہے اور منی ہی میں داخل ہے) تو جس قدر ممکن ہوتیزی سے گزر جائیں۔

(۷۷) پھر درمیانی راستے سے جمرہ عقبہ یا جمرہ کبری کی طرف جائیں۔

(۷۸) جمرۂ عقبہ کو کنکڑی مارنے کے لئے منی ہی میں کنکڑیاں چن لیں جو چنے کے دانے کے برابر ہوں اور بڑی بڑی نہ ہوں، یہ بھی ذہن میں رہے کہ جمرہ عقبہ منی کی طرف سے آتے ہوئے آخری جمرہ ہے اور مکہ سے قریب ہے۔

(۷۹) کنکڑی مارتے وقت رخ جمرہ کی طرف اور مکہ کو بائیں اور منی کو دائیں رکھیں۔

(۸۰) سات کنکڑیاں ماریں اور ہر کنکڑی کے ساتھ تکبیر یعنی ''اللہ اکبر'' کہیں۔

(۸۱) اور آخری کنکڑی مار کر تلبیہ بند کردیں۔

(۸۲) کنکڑی سورج نکلنے کے بعد ہی ماریں چاہے آپ کا شمار ان عورتوں اور کمزوروں میں ہو جنھیں آدھی رات کے بعد مزدلفہ سے منی چلے جانے کی اجازت دی گئی ہے۔

(۸۳) اگر چاہیں تو زوال کے بعد سے رات تک کنکڑی مار سکتے ہیں اگر زوال سے پہلے کنکڑی مارنے میں کوئی تکلیف یا حرج محسوس کریں، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

(۸۴) جب رمی جمرہ سے فارغ ہوجائیں تو اب عورتوں سے ملاپ کے سوا ہر چیز حلال ہوجاتی ہے اگر چہ ابھی قربانی اور سر منڈانے کا کام پورا نہ ہوا ہو۔اب اپنے کپڑے پہن کر خوشبو لگا سکتے ہیں۔

(۸۵) لیکن اگر اس حلت پر برقرار رہنا چاہتے ہیں تو اسی دن شام ہونے سے پہلے پہلے طواف افاضہ کرلیں ورنہ پھر سے احرام باندھ کر محرم ہوجانا لازم ہوجائے گا اور اب اسی وقت احرام کھولنا جائز ہوگا جب طواف افاضہ سے فارغ ہوجائیں گے کیونکہ صحیح حدیث میں اسی طرح کی رہنمائی کی گئی ہے۔

ذبح ونحر:

(۸۶) پھر منی میں منحر پر آئیں اور اپنا جانور ذبح کردیں، سنت یہی ہے۔

(۸۷) لیکن پورے منی یا مکہ میں کہیں بھی ذبح کرنا جائز ہے۔

(۸۸) سنت تو یہی ہے کہ جانور خود اپنے ہاتھ سے ذبح کریں یا نحر کریں، لیکن اگر کسی اور کو اپنا نائب بنا کر یہ کام اس کے ذمہ لگا دیا جائے تو جائز ہے اور یہ کام آج کل سرکاری طور پر ہوتا ہے اس لئے اگر وہیں سے یہ کام کرالیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

(۸۹) ذبح کرتے وقت جانور کو اس کے بائیں پہلو لٹا کر اس کا رخ قبلہ کی طرف کر دیں اور اس کے داہنے پہلو پر اپنا داہنا قدم رکھ دیں۔ اور اگر اونٹ ہو تو اس کا بایاں پاؤں باندھ کر باقی پیروں پر اس کو کھڑا کریں اور اس کا رخ قبلہ کی طرف کر کے نحر کریں یعنی اس کے حلق پر نیزہ سے مار کر اس کا خون نکالیں۔

(۹۰) اور ذبح یا نحر کے وقت: "بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ، اللَّهُمَّ هَذَا مِنْكَ وَلَكَ، اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي" پڑھیں۔

(۹۱) ذبح کے ایام چار دن ہیں: یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) جو یوم الحج الاکبر (حج اکبر کا دن) ہے اور ایام تشریق کے تین دن یعنی ۱۱، ۱۲ / اور ۱۳ / ذی الحجہ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سارے ایام تشریق ذبح (کے دن) ہیں۔ (احمد، ابن حبان)

(۹۲) قربانی کا جانور خود بھی کھائیں اور جسے چاہیں کھلائیں اور اگر چاہیں تو اپنے وطن بھی لے جائیں، نبی ﷺ سے ایسا ہی ثابت ہے۔

(۹۳) اونٹ یا گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

(۹۴) حج تمتع کرنے والے جس حاجی کے پاس ھدی (قربانی) کا جانور ذبح کرنے کی طاقت نہ ہو وہ تین دن حج کے ایام میں اور سات دن اپنے گھر واپس آ کر روزہ رکھے۔ اور ایسے شخص کے لئے ایام تشریق میں بھی روزہ رکھنا جائز ہے جبکہ دوسروں کے لئے ایام تشریق میں روزہ رکھنا درست نہیں ہے۔

(۹۵) اس کے بعد پورا سر منڈا لیں یا بال کٹوا لیں مگر منڈانا افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سر منڈانے والے کے لئے تین بار رحمت کی دعا کی ہے اور بال کٹوانے والے کے لئے صحابہ کے کہنے پر ایک بار کی ہے۔

(۹۶) سر منڈانے یا بال کٹانے والے کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ داہنی طرف سے شروع کرے جب کہ اکثر نائی لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں، اس لئے انہیں تاکید کر دیں۔

(۹۷) سر منڈانا مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتیں بس چند انگلیوں کی مقدار اپنے بال کاٹ لیں یہی ان کے لئے کافی ہے۔

طواف افاضہ:

(۹۸) پھر اسی دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو بیت اللہ کی طرف جائیں اور طواف افاضہ کر لیں اور اسی طرح طواف کریں جس طرح طواف قدوم کیا تھا، مگر اب اس طواف میں نہ اضطباع (یعنی داہنا کندھا کھولنا ہے) نہ رمل (یعنی مونڈھے ہلاتے ہوئے تیز چلنا) ہے۔

(۹۹) سات چکر جب پورے ہو جائیں تو مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھ لیں کیونکہ یہی سنت ہے۔

(۱۰۰) اس کے بعد سابقہ تفصیل کے مطابق صفا و مروہ کی سعی کریں، البتہ مفرد اور قارن کے لئے ان کی پہلی سعی ہی کافی ہے۔ یہ سعی صرف حج تمتع کرنے والے کے لئے ہے۔

(۱۰۱) اس طواف کے بعد ہر چیز جو احرام سے حرام ہو گئی تھی حلال ہو جاتی ہے یہاں تک کہ بیویوں سے ہم بستری بھی۔

منی میں رات گزارنا:

(۱۰۲) پھر منی آ جائیں اور پورے ایام تشریق ان کی راتوں کے ساتھ منی میں گزاریں۔

(۱۰۳) اور ان دنوں میں ہر دن زوال کے بعد تینوں جمرات کو سات سات کنکریاں اسی طریقے پر ماریں جیسا کہ بتایا

جا چکا ہے۔

(۱۰۴) شروعات جمرۂ اولی سے کریں جو مسجد خیف سے قریب ہے۔ جب اسے کنکڑی مار کر فارغ ہو جائیں تو تھوڑا آگے بڑھ کر داہنی طرف ہو لیں اور قبلہ رو ہو کر دیر تک کھڑے دعا مانگتے رہیں اور اپنے دونوں ہاتھ بھی اٹھالیں۔ (اگر بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکیں تو تھوڑے ہی وقفے میں دعا مانگ لیں اور سنت پوری کریں)

(۱۰۵) اس کے بعد جمرۂ ثانیہ کی طرف آئیں اور اسے سابقہ طریقے کے مطابق کنکڑی ماریں اور شمال (اتر) کی طرف بڑھ کر کھڑے ہو جائیں اور قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھالیں اور دیر تک دعا مانگیں۔

(۱۰۶) پھر جمرۂ ثالثہ یعنی جمرۂ عقبہ کی طرف آجائیں اور اسے بھی اسی طریقے پر کنکڑی ماریں اور بیت اللہ کو بائیں اور منی کو دائیں رکھیں اور اسے کنکڑی مارنے کے بعد وہاں نہ ٹھہریں بلکہ اپنے مقام پر واپس آجائیں۔

(۱۰۷) پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسے ہی کریں۔

(۱۰۸) اگر دوسرے دن کنکڑی مار کر منی سے چلے جائیں اور تیسرے دن کنکڑی مارنے کے لئے رات وہاں نہ گزاریں تو جائز ہے، مگر تیسرے دن کنکڑی مارنے کے لئے رک جانا افضل ہے کیونکہ یہی سنت ہے۔

(۱۰۹) جو تیسرے دن کنکڑی مارنے کے لئے نہ رکنا چاہتا ہو وہ دوسرے دن یعنی بارہویں ذی الحجہ کو شام کے وقت سورج ڈوبنے سے پہلے ہی نکل جائے اور اگر غروب آفتاب تک وہیں رہ گیا تو پھر اسے رات وہیں گزارنی پڑے گی اور وہ تیسرے دن کنکڑی مارنے کے بعد ہی جاسکتا ہے۔ (مگر یہ بات اس شخص کے حق میں ہے جو اختیاری طور پر غروب آفتاب تک رکا ہو اور جو بھیڑ وغیرہ کی مجبوری کی وجہ سے غیر ارادی طور پر منی سے نہ نکل سکا ہو وہ جب موقع مل جائے نکل سکتا ہے)

(۱۱۰) سابقہ مناسک حج (یعنی حج کی عبادتوں) میں ترتیب سنت ہے جو اس طرح ہے: (۱) رمی (کنکڑی مارنا) (۲) ذبح یا نحر کرنا (۳) سر منڈانا یا بال کٹانا (۴) طواف افاضہ (۵) سعی (متمتع کے لئے)۔ لیکن اگر ان میں تقدیم وتاخیر ہو جائے یعنی پہلے والا بعد میں اور بعد والا پہلے ادا ہو جائے تو جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا تھا: کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں۔

(۱۱۱) دوسرے یا تیسرے دن کنکڑی مار کر فارغ ہو جائیں تو حج کے مناسک پورے ہو گئے، لہٰذا مکہ چلے جائیں اور جتنا مقدر ہو وہاں رہیں اور اس بات کا خصوصی اہتمام کریں کہ پانچوں وقت کی نمازیں مسجد حرام میں باجماعت ادا کریں، کیونکہ وہاں نماز کا ثواب دیگر مسجدوں کے مقابلے میں ایک لاکھ نماز سے افضل ہے۔

طواف وداع:

(۱۱۲) جب مکہ سے واپس جانے لگیں تو لازمی طور پر طواف وداع (رخصتی طواف) کرلیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص کوچ نہ کرے یہاں تک کہ اس کا آخری کام بیت اللہ کا طواف ہو۔ (مسلم وغیرہ اور بخاری نے بھی اسی جیسی روایت کی ہے)

(۱۱۳) پہلے حائضہ عورت کو بھی طواف وداع کے لئے خون بند ہونے تک رکنے کا حکم دیا جاتا تھا مگر بعد میں اسے اجازت دے دی گئی کہ اگر اس نے طواف افاضہ کرلیا ہے تو طواف وداع کئے بغیر بھی جاسکتی ہے۔ (احمد وغیرہ بسند صحیح)

(تفصیل کے لئے دیکھئے: مناسک الحج والعمرہ للالبانی اور صفۃ الحج والعمرہ لابن العثیمین وغیرہ)

دینی مدارس میں عصری تعلیم کے مثبت نتائج

سرفراز فیضی : داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

اسلام اللہ کا اتارا ہوا واحد مقبول دین ہے جس کی تکمیل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی، یہ دین کسی خاص قوم یا زمانہ کے لیے نازل نہیں کیا گیا یہی وجہ ہے کہ مسلمان دینی تعلیم اور تفہیم کے نظام اور نصاب کو ہر دور کی ضرورتوں، معیار، مسائل اور تقاضوں کے پیش نظر تبدیلی کرتے رہے ہیں۔

یہ تبدیلی دین کے تحفظ اور دفاع، نصوص کی تدوین، شرعی علوم کی تسہیل اور تاصیل کے ساتھ ساتھ دعوت و اصلاح کی عصری ضرورتوں کے پیش نظر کی جاتی رہی۔ ان مقاصد کے لیے امّت نے اپنے دور کے رائج علوم سے بھی کماحقہ استفادہ کیا۔ اس لیے ہر دور میں مسلمانوں کا دینی تعلیم نظام اپڈیٹ ہوتا رہا ہے۔ شرعی علوم کا کوئی شعبہ نہیں جو اس طرح کی تبدیلیوں سے نہ گذرا ہو۔

جب برطانوی اقتدار نے ملک پر قبضہ پاتے ہی اپنا تعلیمی نظام ملک پر نافذ کر دیا، ظاہر سی بات ہے کی انگریزی اقتدار کی طرف سے یہ تعلیمی نظام ملک کے باشندوں کے ساتھ کسی خیر خواہی کے مقصد سے نہیں لایا گیا تھا، اس تعلیم نظام کے نفاذ کے پیچھے ان کا اصل مقصد اپنے وفادار لوگوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا تھا جو اُن کے اور ہندستان کے کروڑوں محکومین کے درمیان مترجم کے کام کر سکے اور اس چھوٹے سے طبقہ کے ذریعہ اکثریت پر حکومت کی جا سکے۔ اپنی زبان کے ذریعہ مقامی تہذیب اور کلچر کو مسخ کر کے اپنے تہذیب اور کلچر کو فروغ دینا تھا۔

ہندستان میں انگریزوں کے استعمار کے بعد مسلمانوں میں تعلیم کے حوالے سے دو مختلف رویوں کی تشکیل ہوئی۔ ایک رویہ کے بانی سرسید تھے جنھوں نے اپنی فراست کی بنیاد پر مسلمانوں کی معاشی ترقی کے لیے مسلمانوں کے لیے انگریزی تعلیم کو ضروری سمجھا اور اپنے مشہور کالج کی بنیاد ڈالی۔

دوسرے رویہ اہل مدارس کا تھا جنھوں نے انگریزی تعلیم کے حوالے سے اپنے سارے تحفظات اور اندیشوں کے ساتھ دوسری انتہاء پر اسی درس نظامی کے ساتھ چمٹے رہنے کا فیصلہ کر لیا جو خود اُس زمانہ کے لحاظ سے ایک آوٹ ڈیٹیڈ نظام بن چکا تھا اور دین و زمانہ کے تقاضے خود اس کے علوم عقلیہ اور نقلیہ میں بڑی تبدیلی کا تقاضہ کر رہے تھے۔ لیکن علماء نے اس نظام کے ساتھ چمٹے رہنے کو دین کے تحفظ اور اسلام کے دفاع کا تقاضہ سمجھا۔

برصغیر میں دینی اور دنیوی تعلیم کی تفریق کی ابتداء یہیں سے ہوئی۔ اس تفریق کے ساتھ ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ دینی مدارس کی تعلیم دوسرے درجہ کی تعلیم بن گئی، دنیاداری اور مادہ پرستی کے رجحان کی وجہ سے اس کی طرف رغبت کم ہوگئی۔ بلکہ دینی تعلیم محض معاشی لحاظ سے کمزور مسلمانوں کی تعلیم بن کر رہ گئی۔

اس تقسیم کا ایک نقصان یہ ہوا کہ اہل علم میں مُلا اور مسٹر کے دو مختلف طبقے ایک دوسرے کے بالمقابل وجود میں آ گئے ایک علماء دین کا طبقہ اور دوسرا جدید تعلیم یافتہ طبقہ جن کو قدامت پسند اور جدت پسند کے ناموں سے بھی تعبیر کیا گیا، وقت کے ساتھ ان دونوں طبقوں کے درمیان خلیج بڑھتی چلی گئی۔

کیونکہ دینی و دنیوی تعلیم کی تفریق کا بیج انگریزوں ہی کا بویا ہوا تھا اس لیے ان کے چلے جانے کے بعد تفریق کی صورت حال

ختم ہوجانی چاہیے تھی، مثالی صورت حال یہ ہوتی کہ قوم وملت کے رہنماؤں کی جانب سے ایک ایسا جامع اور مکمل نصاب تیار کیا جاتا جو مسلم قوم کی دینی اور دنیاوی ضرورتوں کے لیے کافی ہوتا، میٹرک یا ایچ ایس سی تک ایک جامع نصاب ہوتا جس کی تکمیل کرنے والے طلبہ دین کی بنیادی معلومات اور دینی مزاج کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی بنیادی معلومات سے بھی لیس ہوتے۔ اس کے بعد دینی اور دنیوی علوم میں تخصص کے شعبے مختلف ہوجاتے۔ طلبہ اپنے ذوق اور ضرورت کے لحاظ سے تخصص کے شعبہ اختیار کرتے۔ دینی تعلیم کے متخصصین کو بھی معاشرے اور سماج میں عصری تعلیم یافتہ طبقہ کے مساوی حیثیت حاصل ہوتی اور اہل علم کے ان مختلف طبقات کے باہمی تعاون سے قوم کا قافلہ ترقی کی راہوں پر آگے بڑھتا اور قوم عالم انسانیت میں اپنا قائدانہ کردار نبھانے کی ذمہ داری ادا کرتی۔

لیکن آزادی کے بعد بھی تعلیم کی یہ دوئی اپنی جگہ قائم رہی، اس ٹھہرے ہوئے پانی میں پہلا پتھر علامہ شبلی نعمانی نے پھینکا، کیونکہ علامہ شبلی نعمانی قدیم اور جدید دونوں طرح کے تعلیم اداروں سے منسلک رہے تھے اس لیے اپنے دور کے لوگوں کی شرعی اور عصری علوم کے تقاضوں سے خوب واقفیت بھی رکھتے تھے۔ ندوۃ العلماء کے قیام کی بنیادی مقاصد میں سے ایک مسلمانوں کے تعلیمی نصاب اور نظام کی اصلاح بھی تھی، اس اصلاح کے پیچھے بنیادی فکر علامہ شبلی نعمانی ہی کی کارفرما تھی۔ اصلاح نصاب کی تعبیر کے اس مقام نہیں پہنچ سکی جس کا خواب علامہ شبلی نعمانی نے دیکھا لیکن دینی مدارس کے نصاب اور نظام میں تبدیلی کی ایک فضا بہر حال علامہ شبلی نعمانی کی کوششوں سے قائم ہوئی اور کیونکہ یہ تحریک مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کی مشترکہ کوششوں کی نتیجہ میں برپا ہوئی تھی اس لیے ندوہ کے بعد دینی مدارس کسی نہ کسی حد تک ندوہ کی تحریک کے زیر اثر رہے،

علامہ شبلی نعمانی کی تنقید محض دینی اداروں پر نہیں تھی، ان کی شکایت عصری تعلیمی اداروں کے لیے بھی تھی، مثالی صورت حال یہ ہوتی کہ متوازی چل رہے یہ دونوں ادارے کسی سنگم پر آ کر ایک ہوجاتے لیکن یہ آرزو تکمیل تک نہ پہنچ سکی، البتہ اس نقطہ اتصال کی طرف بڑھنے میں عصری تعلیمی اداروں سے زیادہ دلچسپی اہل مدارس نے دکھائی، ندوہ کی تحریک کے بعد کم یا زیادہ کسی حد تک عصری علوم اپنے نصاب میں شامل کرلیے اس لیے مدارس کے فارغین علماء بالعموم عصری علوم کی واجبی معلومات رکھتے ہیں جبکہ عصری تعلیم اداروں سے تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبہ بہت بڑی تعداد میں دین کی بنیادی معلومات سے بھی بے بہرہ ہیں۔

مدارس کے نصاب میں ہونے والی تبدیلیوں کے بہت سارے مثبت نتائج مرتب ہوئے لیکن نصاب کی اصلاح اور تبدیلی کی یہ تحریک علماء کے باہمی اختلاف اور عدم تعاون کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوسکی، لہذا نصاب میں عصری علوم کی شمولیت کا حق بھی کما حقہ ادا نہیں ہوسکا۔

پھر نصاب تو تعلیمی نظام کا محض ایک جزء ہے، نصاب کے علاوہ مقاصد تدریس، طریقہ تدریس اور اندازہ قدر (evaluation) ایک نظام تعلیم کے اجزاء ہوتے ہیں، جب تک یہ سارے اجزاء اپنی درست جگہ پر نہ ہوں محض نصاب کی تبدیلی کوئی خاص اثر نہیں ڈال سکتی، بلکہ ممکن ہے کہ نقصان کا باعث ہوجائے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ندوہ کی تحریک کے بعد ایک چلتی ہوئی ہوا اور دباؤ کے زیر اثر ذمہ داران مدارس نے نصاب میں عصری علوم شامل تو کرلیے لیکن اس طرف جتنی توجہ درکار تھی نہیں دی گئی، اس لیے اس کے مثبت نتائج اس بڑے پیمانے پر حاصل نہ ہوسکے امکانی سطح پر جس کی امید تھی۔

اس حوالے سے ایک پہلو یہ بھی ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ

دینی علوم کے شعبے مختلف ہیں اور مدارس کے فارغین کی ذمہ داریاں میں بھی جدا جدا ہیں، ان شعبوں کے لحاظ سے عصری علوم سے واقفیت کی ضرورت بھی کم یا زیادہ ہے، مثلاً علم حدیث کا شعبہ دینی علوم کے تمام شعبوں میں اس حیثیت سے منفرد شعبہ ہے کہ دینی علوم کے تمام ہی شعبے اس کے محتاج ہیں لیکن یہ دینی علوم میں سے بھی کسی بھی علم پر منحصر نہیں اس لیے تمام دینی علوم میں اس کی حیثیت خادم کی ہے اور دیگر علوم کی حیثیت مخدوم کی ہے۔ لہذا علم حدیث میں ذوق رکھنے والے علماء کو عصری علوم سے واقفیت کی ضرورت بہت زیادہ نہیں۔ تقریباً اسی طرح کا معاملہ عربی زبان وادب کی خدمت سے متعلق علماء کا ہے، علم تفسیر میں کمال کے لیے البتہ سائنسی علوم سے اس درجہ واقفیت کی ضرورت ہے کہ قرآن میں آیات وانفس کی جن نشانیوں کا ذکر ہے عالم میں خود ان کو سائنسی علوم کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے کی استعداد پیدا ہوجائے۔ فقہ میں عبادات کے شعبے میں سائنسی علوم کی ضرورت بہت شدید تو نہیں البتہ معاملات کے شعبہ بالخصوص طب اور بیوع کے شعبوں میں خدمات انجام دین والے علماء کا انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ ان متعلقہ شعبوں کی اصطلاحات کو علم رکھنا ناگزیر ہے۔

یہاں ہم اپنے علم اور مشاہدہ کی روشنی میں اس کے کچھ مثبت نتائج کا ذکر کریں گے جو مدارس میں عصری علوم کی شمولیت کی وجہ سے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: انگریزی زبان اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے، جو دنیا کی سب سے ترقی یافتہ ممالک کی زبان ہے، گلوبلائزیشن کے بعد اگر دنیا ایک گاؤں کی طرح ہوگئی ہے تو اس عالمی گاؤں کی زبان انگلش ہے، دنیاوی علوم وفنون کا جتنا بڑا ذخیرہ اس زبان کے دامن میں موجود ہے دنیا کی کسی دوسری زبان کے پاس نہیں۔ مغرب کی احیائے علم کی تحریکوں، قسطنطنیہ کی فتح کے بعد مشرق ومغرب کے سنگم پر بازنطینی سلطنت کے پایہ تخت کے یونانی علوم وفنون کے ساتھ عرب وعجم کے علمی ذخیروں کے امانتدار اس عظیم شہر کے اہل علم کی یورپ کی طرف ہجرت اور پھر چھاپہ خانے کے ایجاد کے بعد یورپ میں علوم کا پھیلاؤ جتنی تیزی سے ہوا اس نے انگریزی زبان کے دامن کو علم وفن کے خزانوں سے بھر دیا۔ انگریزی استعمار نے بھی اس زبان کو دنیا کے مختلف خطوں تک پھیلا دیا اور امریکہ سائنسی، معاشی اور سیاسی ترقی کی وجہ سے یہ زبان دنیا کے کونے کونے تک پھیل گئی اور دنیا کے ایک ایک گوشے سے ذہین افراد نے علم وادب کے موتی اس کے خزانے میں ڈالے۔

انگریزی زبان سے واقفیت اس خزانے تک رسائی کا راستہ ہے۔ مدارس میں اصلاح نصاب کے حوالے سے سب سے اہم تبدیلی انگریزی زبانی کی تعلیم ہی کی ہوئی اس لیے مدارس کے طلبہ کے ہاتھ میں اس علمی خزانے کی چابی اس زبان سے واقفیت کی وجہ سے ہاتھ آگئی اور اس زبان میں موجود علوم وفنون سے استفادہ کا راستہ کھل گیا۔

دوسرا فائدہ: یہ دور میڈیا کا دور ہے، زمینی سطح پر کام کرنے والے علماء کے لیے اپنے دور کے حالات کی "اطلاع" رکھنا ناگزیر ہے، انگریزی زبان نہ صرف عالمی میڈیا کی زبان ہے بلکہ خود اپنے ملک میں سب سے مستند اور وسیع صحافت انگریزی صحافت ہی ہے۔ اس زبان سے واقفیت رکھنے والے علماء کیلئے یہ زبان ملک اور عالم کے خبروں تک رسائی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

تیسرا فائدہ: انگریزی اس وقت علمی دنیا کی مستند ترین زبان سمجھی جاتی ہے، علم وفن کی دنیا میں سب سے بڑا اسٹیج اسی زبان کا ہے، اس اسٹیج پر دنیا کے ہر مذہب اور نظریہ کے نمائندے اپنے اپنے مذہب اور نظریہ کی نمائندگی کررہے ہیں، مدارس میں انگریزی زبان کی تعلیم کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اس اسٹیج پر دین کی روایتی تعبیر کے حامل علماء کرام کو کسی حد تک اسلام کی نمائندگی کا

موقع ملا۔

چوتھا فائدہ: اس زبان سے واقفیت نے دعوت کے امکانات بھی بہت وسیع کر دیے، کیونکہ انگریزی زبان دنیا میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبان ہے اس لیے اس زبان سے واقفیت نے انگریزی زبان سے واقفیت رکھنے والے تمام اقوام تک اسلام کی دعوت پہنچانے اور مکالمہ کی راہ ہموار ہوئی ہے۔

پانچواں فائدہ: مستشرقین کی جانب سے اسلام کے احکام اور نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کی سیرت، اسلامی تاریخ کے خلاف بہت کچھ تحقیق کے نام پر لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے، اسلام کے خلاف یہ مواد مشرق ومغرب میں پھیلایا گیا ہے، استشراق کی زبان انگریزی ہے، اس مواد تک پہنچنے اور اس کا ردّ کرنے میں انگریزی کی تعلیم ناگزیر تھی۔ مدارس کے فاضل علماء کی جانب سے استشراق کے پھیلائے زہر کے خلاف جو بھی تریاقی کام ہوا یقینا اس میں انگریزی زبان کی تعلیم کا دخل ہے۔

چھٹا فائدہ: زبانیں قوموں سے رابطے کا وسیلہ ہوتی ہیں، اسی ضرورت کے پیش نظر اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو مختلف زبانیں سیکھنے کا حکم فرمایا تھا، انگریزی زبان دنیا میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے، اس زبان سے واقفیت نے مدارس کے فضلاء کیلئے دعوت کے امکانات کو کئی گنا وسیع کر دیا، خود ہمارے ملک میں ہندستانی زبان (اردو، ہندی) کے بعد انگریزی ہی رابطہ کی سب سے بڑی زبان ہے، اعلیٰ تعلیم کا میڈیم بھی انگریزی ہے اس لیے ملک کے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ جو معاشرے پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے کی زبان بھی انگریزی ہے، ملک میں انگریزی کے اس پھیلاؤ نے عوامی سطح پر بھی زبان کو اس حد تک متاثر کیا ہے کہ عوام تک رسائی کیلئے کسی نہ کسی حد تک انگریزی زبان سے واقفیت لازمی ہے، مدارس میں انگریزی زبان کی تعلیم نے ان سارے دعوت کے امکانات سے فائدہ اٹھانے کے راستے کھول دیے، مدارس کے فضلاء کی اچھی خاصی تعداد انگلش اسپیکنگ ممالک میں دعوتی کاز سے جڑی ہوئی ہے، ملکی سطح پر بھی انگریزی زبان پر عبور رکھنے والے علماء مختلف حوالوں سے دین کے فروغ کیلئے انگریزی زبان کا استعمال کر رہے ہیں، خاص کر سوشل میڈیا کے پھیلاؤ نے ان امکانات کو بہت وسیع کر دیا ہے۔

ملکی سطح پر بالخصوص شہروں میں عوام سے رابطہ کی زبان گرچہ ہندستانی ہے لیکن اس مقامی ہندستانی زبان پر بھی انگریزی زبان کے اثرات گہرے ہیں اور عوام سے رابطہ کے لیے ایک حد تک انگریزی زبان سے واقفیت لازم ہے، مدارس میں انگریزی زبان کی تعلیم کا فائدہ یہ ہو رہا ہے کہ عوام بالخصوص تعلیم یافتہ نوجوانوں تک اپنی بات پہچانے میں زبان معاون ہے۔

ساتواں فائدہ: الحاد وقت کا سب سے بڑا فتنہ ہے، تاریخ کے کسی دور میں علمی یا عوامی سطح پر الحاد کو اتنی پذیرائی اور مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جتنی اس دور میں، سائنس الحاد کا سب سے بڑا ہتھیار رہے جس سے وہ مذہب پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس کے اس حملے کا توڑ بھی سائنس ہی کے ذریعہ ممکن ہے اور الحاد کی بھی زبان انگریزی ہے لہٰذا اس کے شبہات جاننے اور ان کے لیے رد کیلئے بھی انگریزی زبان سے واقفیت ناگزیر ہے۔ اس دور میں الحمد للہ فرزندان اسلام کی ایک بڑی تعداد ردّ الحاد کے مبارک کام میں مصروف ہے لیکن افسوس کی اس کام میں علماء کی نمائندگی نسبتا کم ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ وضاحت کی جاچکی ہے مدارس میں ہمارے نصاب اور نظام میں خاص اس کام کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔

آٹھواں فائدہ: انگریزی ہمارے حکمرانوں کی زبان رہی ہے اس لیے اس زبان کے حوالے سے عوامی سطح پر مرعوبیت پائی جاتی ہے، ہمارے معاشرے میں انگریزی نہ جاننے والا احساس

کمتری کا شکار ہوجاتا ہے، انگریزی جاننے والے شخص میں خود اعتمادی پائی جاتی ہے، انگریزی جاننے والے علماء کو یہ خوداعتمادی عوام میں دعوتی نطقہ نظر سے فائدہ پہنچاتی ہے۔عوام کی نظر میں ایسے علماء کی قدر زیادہ ہے جو ان سے ان کی زبان میں بات کر سکتے ہوں۔

نواں فائدہ: عوام کی فقہی رہنمائی علماء کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ایک ہے، معاملات کا شعبہ اس حیثیت سے بہت وسیع ہے کہ کیونکہ معاملات لامحدود اور ارتقاء پذیر ہیں، ہر دور کے علماء کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے دور کے مسائل سے واقفیت رکھیں اور شریعت کی روشنی میں اس کے احکام کی وضاحت کریں، اس لیے فقہاء کا قول ہے من لایعرف اھل زمانہ فھو جاھل، جس شخص کو اپنے زمانہ کے لوگوں کا علم نہ ہو وہ جاھل ہے، فقہی مسائل میں رہنمائی کے لیے ان معاملات سے واقفیت لازمی ہے، فقہ کا اصول ہے، الحکم علی الشئی فرع عن تصورہ اور اس زمانہ میں بغیر انگریزی زبان کے علم کے اپنے دور کے مسائل اور معاملات سے کماحقہ واقفیت ممکن نہیں۔ بالخصوص فقہ اور بیوع کے شعبہ میں فقہی رہنمائی کے لیے انگریزی زبان سے واقفیت لازمی ہے کیونکہ ان شعبوں کی زبان ہی انگریزی ہے، ان شعبوں کی تمام اصطلاحات بھی انگریزی میں ہیں۔

علماء کی ایک بڑی تعداد الحمدللہ انگریزی زبان سے واقفیت کی وجہ سے معاملات کے مختلف شعبوں میں فقہی رہنمائی کا کام انجام دے رہی ہے۔

دسواں فائدہ: مدارس کے نصاب میں انگریزی کی شمولیت کی وجہ سے علماء کی معاشی خوشحالی کا سبب بھی بنی، معاشی خوشحالی اس حیثیت سے بھی بہت اہم ہے کہ مدارس کا رخ کرنے والے بیشتر طلبہ معاشی لحاظ سے پسماندہ طبقہ سے تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں۔

گیارہوں فائدہ: نصاب میں انگریزی زبان کی شمولیت کی وجہ سے عصری تعلیم کی یونیورسٹیز میں مدارس کے طلبہ کا داخلہ ممکن ہوا جس کے بہت سارے مثبت نتائج مرتب ہوئے۔

1: دنیاوی لحاظ سے اعلیٰ تعلیم کی راہ ہموار ہوئی۔

2: دعوت دین، تدریس اور امامت وخطابت کے لیے علاوہ علماء دین کی رسائی دیگر شعبوں تک ممکن ہوئی جس کے بہت سارے مثبت دعوتی نتائج بھی مرتب ہوئے۔

3: یونیورسٹی کا ماحول مدرسہ کے ماحول سے مختلف ہوتا ہے، مدرسہ میں جہاں ایک ہی دین بلکہ ایک ہی مسلک کے طلبہ اور علماء سے رابطہ ہوتا ہے یونیورسٹی کے ماحول میں مختلف مذاہب اور نظریات کے حامل افراد سے ملنے اوران کے نظریات اور مسائل کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے، یونیورسٹی کا یہ تجربہ طالب علم کے ذہن میں وسعت پیدا کرتا ہے۔

5: دیگر نظریات اور مذاہب کے حامل افراد کے ساتھ تعامل ہونے کی وجہ سے شدت پسندی میں کمی آتی ہے۔

6: مدرسہ کے طالب علم کو دعوت اور مکالمے کا نیا اسلوب اور لہجہ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔

بارہواں فائدہ: انگریزی زبان جدید ٹیکنالوجی کی زبان ہے، جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کے لیے اس زبان سے واقفیت ناگزیر ہے۔مدارس کے نصاب میں عصری علوم کی شمولیت بالخصوص انگریزی اور کمپیوٹر کی تعلیم کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ علماء کیلیے جدید دور کی ٹیکنالوجی ممکن بنا دیا، دنیا میں اطلاعاتی سائنس کے انقلاب کے بعد جب دنیا ایک گلوبل ویلج کی شکل اختیار کرچکی ہے عصری علوم سے واقفیت نے علماء کو زمانہ کے قدم سے قدم ملا کر چلنے، ٹیکنالوجی سے استفادہ کرنے اور دعوت کے لیے اس کا استعمال کرنے کے لائق بنادیا۔

❖ ❖ ❖

احکام ومسائل

مسجد نبوی کے علاوہ سلف سے منسوب دیگر مساجد کی زیارت

تحریر: دائمی کمیٹی برائے فتویٰ و سماحۃ الشیخ امام عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ   ترجمہ: ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی

فتویٰ نمبر (۱۹۷۲۹)۔   بتاریخ ۲۷/۶/۱۴۱۸ ہجری۔

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، وبعد:

دار الإفتاء کمیٹی سعودی عرب کو اُس سوال کے سلسلہ میں اطلاع ہوئی جو سائل (م۔ا۔ع۔) کی جانب سے (سابق) مفتی عام (امام عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ) کو موصول ہوا، اور کبار علماء بورڈ کے جنرل سکریٹریٹ کی جانب سے کمیٹی کو مورخہ ۳۰/۳/۱۴۱۸ھ رجسٹر نمبر (۱۸۷۳) کے ذریعہ حوالہ کیا گیا۔

سوال: میں جناب عالی سے درخواست کرتا ہوں کہ مندرجہ ذیل سوال کا جواب عنایت فرمائیں۔

اولاً: ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جو مسجد نبوی ﷺ میں صلاۃ ادا کرنے کی خاطر مدینہ منورہ آتا ہے، پھر مسجد قباء، مسجد قبلتین، مسجد جمعہ، مساجد مصلیٰ (مسجد غمامہ، مسجد صدیق، مسجد علی رضی اللہ عنہ) اور سلف سے منسوب دیگر مساجد جاتا ہے اور ان میں داخل ہوکر دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرتا ہے، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ثانیاً: کیا زیارت کرنے والے کے لئے مسجد نبوی پہنچنے کے بعد معلومات حاصل کرنے، سلف صالحین کی تاریخ میں غور وفکر کرنے، اور غزوات نیز انصاری قبائل کے مکانات کے تعلق سے کتب تفسیر، حدیث اور تاریخ میں پڑھی ہوئی معلومات کی عملی تطبیق کی نیت سے مدینہ منورہ کی عہد سلف سے منسوب (اثری) مساجد دیکھنے کے لئے جانا اور موقع غنیمت سمجھنا جائز ہے؟ امید کہ نوازش فرمائیں گے۔

فتویٰ کمیٹی نے مذکورہ بالا سوال کا جائزہ لینے کے بعد درج ذیل جواب دیا:

جواب: ان دونوں سوالوں کے جواب کے لئے درج ذیل تفصیل درکار ہے۔

اولاً: مدینہ منورہ میں پائی جانے والی مساجد کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی طرح کی ہیں۔

(۱) مدینہ منورہ کی وہ مسجدیں جن کی خصوصیت کے ساتھ فضیلت ثابت ہے، اور وہ صرف دو مسجدیں ہیں:

۱- مسجد نبوی ﷺ، جو کہ اللہ جل جلالہ کے حسب ذیل فرمان میں بدرجۂ اولیٰ داخل ہے:

{لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۚ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ} (سورۃ التوبۃ:۱۰۸)۔

البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں' اور اللہ عزوجل خوب پاک ہونے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اور یہ ان تین مساجد میں سے دوسری مسجد ہے جن کی طرف زیارت کی نیت سے سفر کرنا جائز ہے، جیسا کہ سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے اور سنت رسول سے یہ بھی ثابت ہے کہ مسجد حرام کے علاوہ دنیا کی دیگر مساجد کے بالمقابل اس میں ایک صلاۃ کا ثواب ایک ہزار صلوات کے برابر ہے۔

۲۔ مسجد قباء، جس کے سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ فرمان باری {لمسجد أسس على التقوى من أول يومٍ...} نازل ہوا ہے۔

اور حضرت اسید بن ظہیر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”صلاة في مسجد قباء كعمرة“ (جامع الترمذی، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر (۲۹۸) وابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، حدیث نمبر (۱۴۰۱))۔

مسجد قباء میں ایک صلاۃ کا ثواب عمرہ ادا کرنے کی طرح ہے۔

اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من تطهر في بيته ثم أتى مسجد قباء فصلى فيه صلاةً كان له أجر عمرة“ (سنن النسائی، کتاب المساجد، حدیث نمبر (۶۹۲)، ومسند احمد، مسند المکیین، حدیث نمبر (۱۵۴۱۴)، وابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، حدیث نمبر (۱۴۰۲)الفاظ ابن ماجہ ہی کے ہیں، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح سنن ابن ماجہ (۱/ ۲۳۸) میں صحیح قرار دیا ہے)۔

جس نے گھر میں وضو کیا' پھر مسجد قباء آکر ایک صلاۃ ادا کی، اس کیلئے ایک عمرہ کا ثواب ہے۔

(۲) مدینہ میں مسلمانوں کی عام مسجدیں، ان کا حکم عام مسجدوں کی طرح ہے، ان کے سلسلہ میں کسی طرح کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہے۔

(۳) وہ مسجد جو آپ ﷺ کی صلاۃ کی جہت یا خاص اسی جگہ بنائی گئی جہاں آپ نے صلاۃ ادا کی تھی، جیسے مسجد بنو سالم اور مسجد عید گاہ، تو ان مساجد کی بھی خصوصیت کے ساتھ نہ تو کوئی فضیلت ثابت ہے، اور نہ ہی ان کی زیارت اور تحیۃ المسجد وغیرہ کی کوئی ترغیب وارد ہے۔

(۴) نو ایجاد بدعی مسجدیں، جو عہد رسالت اور خلافت راشدہ کی طرف منسوب ہیں، جنہیں زیارت گاہوں کی حیثیت حاصل ہے، جیسے مساجد سبعہ، مسجد کوہ اُحد وغیرہ، تو ان مسجدوں کی بھی شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہیں ہے، اور نہ ہی کسی قسم کی عبادت کیلئے ان کا قصد جائز ہے، بلکہ یہ کھلی ہوئی بدعات ہیں۔

شرعی اصول یہ ہے کہ ہم صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی عبادت کریں، اور اسی شریعت کی روشنی میں کریں جسے اللہ نے اپنے نبی ورسول محمد ﷺ کی زبانی ہمیں عطا فرمایا ہے، اور ایسا کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور امت کے ان سلف صالحین کی طرف پلٹ کر ہی ہوسکتا ہے' جنھوں نے اس دین کو رسول اللہ ﷺ سے لیکر ہم تک پہنچایا' اور ہمیں بدعات سے متنبہ اور آگاہ کیا، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو ردٌّ“ (صحیح مسلم، کتاب الأقضیۃ، باب نقض الأحکام الباطلۃ ورد محدثات الأمور، ۳/ ۱۳۴۴، حدیث نمبر (۱۷۱۸))۔

جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں' تو وہ مردود

ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

"من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهوردٌّ" (متفق علیہ: صحیح البخاری، کتاب الصلح، حدیث نمبر (۲۶۹۷)، ومسلم، کتاب الأقضیۃ، حدیث نمبر (۱۷۱۷))۔

جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں تو مردود ہے۔

نیز فرمایا: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي عضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة" (أبوداود، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، ۴/۲۰۱، حدیث نمبر (۴۶۰۷)، والترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الأخذ بالسنۃ واجتناب البدع، ۵/۴۴، حدیث نمبر (۲۶۷۶)، وابن ماجہ فی المقدمۃ، باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین، ۱/۱۵،۱۶، حدیث نمبر (۴۲، ۴۳، ۴۴)، ومسند احمد، ۴/۱۲۶، ۱۲۷)۔

میری سنت کو لازم پکڑنا اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو، اسے دانتوں سے مضبوط پکڑنا، اور دین میں نئی نئی باتوں سے بچنا، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

مزید فرمایا: "اقتدوا باللذَيْن من بعدي: أبي بكر، وعمر" (الترمذی، کتاب المناقب، حدیث نمبر (۳۵۹۵)، ومسند احمد، باقی مسند الأنصار، حدیث نمبر (۲۲۱۶۱))۔

میرے بعد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی اتباع کرو۔

اور جب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے تبرک کے حصول اور ہتھیار لٹکانے کی غرض سے ایک درخت مقرر کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ اکبر! یہ تو گمراہی کے راستے ہیں"، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نے تو وہی بات کہی ہے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ:

{اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ} (سورۃ الاعراف: ۱۳۸)۔

ہمارے لئے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر فرما دیجئے جس طرح ان کے یہ معبود ان ہیں۔

نیز فرمایا: "افترقت اليهود على إحدى وسبعين فرقةً، وافترقت النصارى على ثنتين وسبعين فرقةً، وستفترق هذه الأمة على ثلاث وسبعين فرقةً، كلها في النار إلا واحدة"، قيل: "من هي يارسول الله ﷺ؟ قال: من كان على مثل ما أنا عليه اليوم وأصحابي" (جامع الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی افتراق هذه الأمۃ، ۵/۲۶، حدیث نمبر (۲۶۴۱))۔

یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے 'نصاریٰ (عیسائی) بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے، اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، اور وہ سب کے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک کے' دریافت کیا گیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: "جس پر آج میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

ابن وضاح اپنی کتاب "البدعة والنهى عنها" (ص/۹) میں اپنی سند سے بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ عمرو بن عتبہ اور اسکے بعض ساتھیوں نے ملکر کوفہ میں ایک مسجد بنوائی، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حکم دیا اور وہ مسجد مسمار کردی گئی، پھر آپ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ کوفہ کی مسجد کے ایک کونہ میں اکٹھا ہوتے ہیں اور گن گن کر ایک مخصوص

تعداد میں "سبحان الله"، "لاإله الا الله" اور "الله أكبر" کا ورد کرتے ہیں، آپ نے اپنی ٹوپی پہنی اور ان کے درمیان جا کر بیٹھ گئے، اور جب انہیں یہ ساری چیزیں کہتے ہوئے سنا' تو اپنی ٹوپی سر سے اتاری اور فرمایا: "میں ابو عبد الرحمن ہوں' (ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت) تم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر علم والے ہوگئے ہو!! یا تو تم نے ظلماً ایک بدعت ایجاد کر لی ہے" (سنن الدارمی، کتاب المقدمۃ، حدیث نمبر(۲۰۶))۔

اس طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے بدعت اور بدعت پرستی سے متنبہ کیا ہے اور سلف صالحین کی اتباع کی ترغیب دلائی ہے۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ جب آپ نے لوگوں کو اس درخت کے پاس جاتے دیکھا جس کے نیچے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت رضوان کی تھی، تو اسے کاٹ ڈالا، اور جب لوگوں کو ایک خاص جگہ جاتے دیکھا، تو دریافت کیا، معلوم ہوا کہ حج کے راستے میں ایک خاص جگہ پر جا کر یہ لوگ صلاۃ ادا کرتے ہیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلاۃ پڑھی تھی، تو انتہائی غضبناک ہوئے اور فرمایا:

"تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کے آثار ونشانات کی تلاش میں ہی ہلاک ہوئے"۔

نیز یہ چیز بھی معلوم ہے کہ مساجد کی تعمیر سے شریعت کا مقصد لوگوں کا عبادت کی خاطر جمع ہونا ہے' اور سات مسجدوں کا یک جا جمع ہونا اس مقصد کو پورا نہیں کرتا، بلکہ ایسا کرنا اختلاف وافتراق کا سبب ہے جو کہ شریعت کے منافی ہے، یہ مسجدیں اکٹھا ہونے کی غرض سے نہیں بنائی گئی ہیں، کیونکہ یہ نہایت قریب قریب ہیں' بلکہ تبرکاً صلاۃ پڑھنے اور دعا وغیرہ کرنے کی غرض سے بنائی گئی ہیں، جو کہ سراسر بدعت ہے۔

رہا مسئلہ "مساجد سبعہ" کی وجہ تسمیہ کا، تو قطعاً اس کی کوئی تاریخی سند نہیں ہے، ابن زبالہ نے "مسجد فتح" کا ذکر کیا ہے' جو کہ محدثین کی نگاہ میں کذاب اور انتہائی جھوٹا شخص تھا، جس کی موت دوسری صدی ہجری کے اواخر میں ہوئی، پھر اس کے بعد مورخ ابن شبہ آئے جنھوں نے اس مسجد کا ذکر فرمایا' اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ مورخین سند اور صحت روایت کا اہتمام کئے بغیر صحت کی ذمہ داری بیان کرنے والوں کے سر ڈال کر جو کچھ ملتا ہے نقل کر دیتے ہیں' جیسا کہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے تاریخ ابن جریر میں ذکر فرمایا ہے، اور جہاں تک ان مساجد یا ان میں سے کسی ایک کے نام کا مسئلہ ہے تو صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ اقوال و افعال کے نقل کرنے کا بھرپور اہتمام کیا ہے، حتیٰ کہ ہر اس چیز کو نقل کر دیا ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے، یہاں تک کہ قضاء حاجت کو بھی، چنانچہ ہر ہفتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسجد قباء آنے، وفات سے قبل شہداء اُحد پر الوداعی صلاۃ پڑھنے، اور اس طرح کی دیگر بے شمار چیزوں کو نقل کر دیا ہے جن سے احادیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

لیکن حفاظ حدیث اور مورخین نے ان مساجد کے ناموں کی جویائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، چنانچہ علامہ سمہودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مجھے ان تمام مساجد میں سے کسی کی اصل نہ مل سکی"، نیز فرماتے ہیں: "باوجودیکہ میں اس نام کی اصل نہ جان سکا، اور نہ ہی مطری کے کلام میں مذکور دونوں مسجدوں کی نسبت کی

حقیقت سمجھ سکا''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''یہاں مقصد یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے کبھی بھی انبیاء علیہم السلام کے آثار پر کوئی چیز نہ بنائی، مثلاً کہیں اترے ہوں، یا صلاۃ ادا کی ہو، یا کوئی اور عمل کیا ہو، نہ ہی انبیاء وصالحین کے آثار کے سبب مساجد وغیرہ کی تعمیر کا قصد ہی کرتے تھے، بلکہ ان کے ائمہ جیسے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وغیرہ ایسی جگہ صلاۃ تک پڑھنے سے منع فرماتے تھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا قصد اتفاقاً صلاۃ ادا کی ہو، اور ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء راشدین حضراتِ ابوبکر، عثمان، علی، اور دیگر عشرۂ مبشرہ، نیز بقیہ تمام صحابۂ کرام جیسے عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، اور ابی بن کعب وغیرہم رضی اللہ عنہم، ان آثار ونشانات پر کبھی بھی صلاۃ ادا کرنے کا قصد نہ کیا کرتے تھے۔

پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ذکر فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں بہت ساری مسجدیں ہیں، لیکن مسجد قباء کے علاوہ کسی بھی مسجد کے قصد میں کوئی فضیلت نہیں ہے، اور جو قبروں اور دیگر آثار قدیمہ وغیرہ پر مساجد ومزارات کا وجود ہوا ہے وہ دراصل دین اسلام میں نو ایجاد بدعات اور ایسے لوگوں کا عمل ہے جو شریعت اسلامیہ، کمال توحید، اخلاص وللّٰہیت اور شرک کے ابواب کا انسداد جیسی تعلیمات نبویہ سے بے بہرہ اور لاعلم ہیں، جنہیں شیطان نبی آدم کے لئے وا کرتا ہے''۔

امام شاطبی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں ذکر فرماتے ہیں کہ: ''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو ایک جگہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ پڑھی تھی جا کر صلاۃ پڑھتے دیکھا، تو فرمایا: ''تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک وبرباد ہوئے، اپنے انبیاء کے آثار کے پیچھے لگے، اور پھر آہستہ آہستہ انہیں کنیسے اور گرجا گھر بنا لئے''۔

نیز فرماتے ہیں کہ ابن وضاح نے فرمایا: ''امام مالک رحمہ اللہ ہر طرح کی بدعت کو ناپسند کرتے تھے خواہ دیکھنے میں بھلی ہی کیوں نہ ہو، تاکہ غیر سنت کو سنت اور ناجائز کو مشروع نہ سمجھ لیا جائے''۔

امام شاطبی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: ''ابن کنانہ سے مدینہ منورہ میں موجود آثار ونشانات سے متعلق دریافت کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا: ''ہمارے یہاں جو چیز ثابت ہے وہ صرف مسجد قباء ہے۔۔۔''۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے فتنہ کے خوف سے اس درخت کو کاٹ دیا تھا جس کے پاس جا کر لوگ صلاۃ ادا کیا کرتے تھے۔

عمر بن شبہ رحمہ اللہ نے ''أخبار المدينة'' میں اور ان کے بعد علامہ عینی رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی شرح میں بے شمار مساجد کا تذکرہ کیا ہے، لیکن ''مساجد سبعہ'' کے نام سے کوئی مسجد ذکر نہیں کی ہے۔

اس مختصر سی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد سبعہ کا وجود دلائل کی روشنی میں ثابت نہیں ہے، اور نہ ہی مسجدِ فتح نام کی کسی مسجد کا ثبوت ہے جو ''عبیدیوں'' (جن کے باطل عقائد معروف ہیں) کے وزیر ابوالہیجاء کے اہتمام سے وجود میں آئی۔

اور چونکہ عوام کی اکثریت انہی مساجد کی زیارت، ان میں صلاۃ پڑھنے اور ان سے تبرک حاصل کرنے کے لئے سرگرداں نظر آتی ہے، اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر کرنے

والوں کی اکثریت انہی مساجد کے سبب مسجد نبوی کی زیارت سے غفلت اور بے اعتنائی کا شکار ہوتی ہے، اس لئے ان مساجد بدعیہ کا قصد کرنا کھلی بدعت ہے۔ اور انہیں باقی رکھنا شریعت اسلامیہ کے مقاصد اور خالص اللہ عزوجل کی عبادت کا پیغام دے کر مبعوث ہونے والے نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات سے متعارض ومتصادم ہے، اور سنت نبوی ان کے ازالہ کی متقاضی ہے، ارشاد نبوی ہے:

" من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو ردٌّ"

(صحیح مسلم، کتاب الأقضیۃ، باب نقض الأحکام الباطلۃ ورد محدثات الأمور، ۳/ ۱۳۴۴، حدیث نمبر (۱۷۱۸))۔

جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ مردود ہے۔

چنانچہ حکم رسول کی اتباع اور خلیفۂ راشد امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرتے ہوئے ضروری ہے کہ فتنہ کشی، ذریعۂ شرک کے انسداد، صاف شفاف اسلامی عقیدہ کے تحفظ اور بازوئے توحید کی حمایت کی خاطر ان مساجد کا ازالہ کیا جائے، کہ جنھوں نے حدیبیہ کے درخت کے پاس جب لوگوں کو جاتے دیکھا تو فتنہ کے اندیشہ سے اسے کاٹ دیا، اور واضح فرمایا کہ پچھلی امتیں اپنے انبیاء کے آثار ونشانات کی تلاش وجستجو ہی کی سبب ہلاک وبرباد ہوئیں، جن کا انہیں حکم نہ دیا گیا تھا، کیونکہ یہ شریعت کا ایک ایسا مسئلہ تھا جس کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اجازت نہ دی تھی۔

ثانیاً: سابقہ گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ آثار سلف کی معلومات یا عبادت اور در ودیوار، مینار ومحراب کو چھونے اور ان سے تبرک حاصل کرنے کی خاطر ان مساجد سبعہ یا دیگر نو ایجاد مساجد کی طرف لوگوں کا جانا اور ان کا قصد کرنا بدعت، اور شرک کی ایک قسم ہے جو کفار کے اس عمل کے مشابہ ہے جسے وہ جاہلیت میں اپنے بتوں اور دیوی دیوتاؤں کے ساتھ انجام دیتے تھے، لہٰذا ہر اس مسلمان کیلئے جو اپنی ذات کا خیر خواہ ہے ضروری ہے کہ اس بدعی عمل کو ترک کردے اور اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی اس کی نصیحت کرے۔

ثالثاً: مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض وہ لوگ جو حجاج کرام اور زائرین حرم کو دھوکہ دیتے ہیں، اور اجرت لے کر گاڑیوں سے مساجد سبعہ اور ان جیسی دیگر بدعتی جگہوں پر زیارت کی خاطر لے جاتے ہیں، ایسا کرنا حرام ہے، اور اس عمل کے عوض جو مال وہ ان سے لیتے ہیں وہ حرام کمائی ہے، جس سے باز آنا بے حد ضروری ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ} (سورۃ الطلاق: ۲، ۳)۔

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔

(اور توفیق دہندہ اللہ جل جلالہ ہی ہے)

وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم

[اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء]

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (صدر) عبدالعزیز بن عبداللہ بن محمد آل الشیخ (نائب صدر) عبداللہ بن عبدالرحمن الغدیان (عضو) بکر بن عبداللہ ابوزید (عضو) صالح بن فوزان الفوزان (عضو)۔

❖ ❖ ❖

عقیدہ ومنہج

موسمِ حج اور ضعیف وموضوع روایات

ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی

۱۔ ”سید الشهور رمضان، وأعظمها حرمة ذو الحجة“۔

مہینوں کا سردار رمضان ہے، اور سب سے زیادہ قابل احترام ذی الحجہ ہے۔

یہ روایت ضعیف ہے۔

دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (8/ 205، حدیث 3727)، وضعیف الجامع (ص:487،حدیث 3321)۔

۲۔ ”كان لا يرى بَأْساً بِقَضَاء رمضان في عشر ذي الحجة“۔

آپ عشرۂ ذی الحجہ میں ماہ رمضان کے روزوں کی قضا میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

یہ روایت ضعیف ہے۔

دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (12/ 989، حدیث 5994)۔

۳۔ ” عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ لَهُ فِيهَا مِنْ عشرة ذي الحجة يعد ل صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ“۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کے لئے اسکے نزدیک عشرۂ ذی الحجہ سے زیادہ محبوب دن کوئی نہیں ہے، اس میں سے ہر دن کے روزہ کا ثواب ایک سال کے روزے کے برابر اور ایک رات کی عبادت کا ثواب شب قدر کے برابر ہے۔

یہ روایت ضعیف ہے۔

دیکھئے: العلل المتناہیۃ فی الاحادیث الواہیۃ (2/ 72، نمبر 925)، نیز دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (11/ 242،حدیث 5142)، وضعیف الجامع الصغیر وزیادتہ (ص: 745، حدیث 5161)،وضعیف الترغیب والترہیب (1/ 184،حدیث 734)۔

۴۔ ”عن أبي هريرة قال:من صام يوم ثمان عشرة من ذي الحجة؛ كتب له صيام ستين شهراً، وهو يوم غدير خم“۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: جس نے ذی الحجہ کی اٹھارہ تاریخ کا روزہ رکھا اس کے لئے ساٹھ مہینوں کے روزے کا ثواب لکھا جائے گا، کیونکہ وہ غدیر خم کا دن ہے۔

یہ روایت ضعیف ہے۔

دیکھئے: الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاہیر (2/ 366، حدیث 714)، و العلل المتناہیۃ فی الاحادیث الواہیۃ (1/ 223، حدیث 356)، وسلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (10/ 594)(4923)۔

۵۔ ”من أحيا الليالي الأربع وجبت له الجنة، ليلة التروية وليلة عرفة وليلة النحر وليلة الفطر“۔

جس نے چار راتوں میں عبادت کی، اس کے لئے جنت

واجب ہے، آٹھ ذی الحجہ کی رات، عرفہ کی رات، قربانی کی رات اور عیدالفطر کی رات۔

یہ روایت موضوع ہے۔

دیکھئے: العلل المتناہیۃ فی الأحادیث الواہیۃ (2/ 77، حدیث 934)، وسلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (2/ 12، حدیث 522)، وضعیف الجامع الصغیر وزیادتہ (ص: 773، حدیث 5358)۔

۶۔ ''أفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم الجمعة، وهو أفضل من سبعين حجة في غير جمعة''۔

سب سے افضل دن عرفہ کا دن ہے جب جمعہ کے دن پڑے، وہ جمعہ کے علاوہ دن میں کئے گئے ستر حجوں سے افضل ہے۔

یہ روایت باطل وبے اصل ہے۔

دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (1/ 373، حدیث 207)، و (3/ 341، حدیث 1193)، و(7/ 137، حدیث 3144)، والنخبۃ البہیۃ فی الأحادیث المکذوبۃ علی خیر البریۃ (ص:34، حدیث 28)۔

۷۔ ''الحج جهاد، والعمرة تطوع''۔

حج جہاد ہے اور عمرہ نفل ہے۔

یہ روایت ضعیف ہے۔

دیکھئے: العلل الواردۃ فی الاحادیث النبویۃ للدارقطنی (7/ 71، حدیث 1224)، و(11/ 227، حدیث 2247)، وسلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (1/ 358، حدیث 200)، و(2/ 246، حدیث 853)، وضعیف الجامع الصغیر وزیادتہ (ص:407، حدیث 2761)۔

۸۔ '' من حج حجة الإسلام، وزار قبري، وغزا غزوة، وصلى علي في المقدس، لم يسأله الله فيما افترض عليه''۔

جس نے اسلام کا حج کیا، میرے قبر کی زیارت کی، کوئی غزوہ کیا اور مجھ پر بیت المقدس میں درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس سے اپنے فرائض کا سوال نہ کرے گا۔

یہ روایت موضوع ہے۔

دیکھئے: تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ (2/ 175، حدیث 22)، وتذکرۃ الموضوعات للفتنی (ص: 73)، وسلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (1/ 369، حدیث 204)۔

۹۔ ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ حِجَّةَ الإِسْلامِ فِي غَيْرِ وَجَعٍ حَابِسٍ أَو حاجة ظَاهِرَة أَوْ سُلْطَانٍ جَائِرٍ، فَلْيَمُتْ أَيَّ الْمِيتَتَيْنِ إِمَّا يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا''۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی روکنے والی تکلیف یا واضح ضرورت، یا ظالم بادشاہ کی مجبوری کے بغیر اسلام کا حج کئے بغیر مر گیا' وہ دو موتوں میں سے کوئی بھی موت مرے، یہودی کی موت یا نصرانی کی موت۔

یہ روایت موضوع ہے۔

دیکھئے: الموضوعات لابن الجوزی (2/ 209)، واللآلیء المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ (2/ 100)، وتنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ (2/ 167)۔

۱۰۔ ''الحج والعمرة فريضتان، لا يضرك بأيهما بدأت''۔

حج اور عمرہ دونوں فرض ہیں دونوں میں سے کچھ بھی شروع کرو

تم پر کوئی حرج نہیں۔

یہ روایت ضعیف ہے۔

دیکھئے: ضعیف الجامع الصغیر (ص: 408، حدیث 2764)، وسلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (8/ 19، حدیث 3520)۔

۱۱۔ "من تزوج قبل أن يحج فقد بدأ بالمعصية"۔

جس نے حج کرنے سے پہلے شادی کر لی اس نے گناہ سے آغاز کیا۔

یہ روایت موضوع ہے۔

دیکھئے: الموضوعات لابن الجوزی (2/ 213)، واللآلیء المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ (2/ 101)، وتنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ (2/ 167)، وتذکرۃ الموضوعات للفتنی (ص:73)، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (1/ 390، حدیث 222)۔

۱۲۔ "عَنْ أَبِي هُرَيْرَة عَن النَّبِي ﷺ قَالَ: إِذَا كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ غَفَرَ اللَّهُ لِلْحَاجِّ، فَإِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْمُزْدَلِفَةِ غَفَرَ اللَّهُ لِلتُّجَّارِ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ مِنًى غَفَرَ اللَّهُ لِلْحَمَّالِينَ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ غَفَرَ اللَّهُ لِلسُّؤَّالِ، فَلا يَشْهَدُ ذَلِكَ الْمَوْضِعَ أَحَدٌ إِلا غُفِرَ لَهُ"۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: عرفہ کے دن اللہ حاجی کو بخشتا ہے، مزدلفہ کی رات اللہ تعالیٰ تاجروں کو بخشتا ہے، منیٰ کے دن اللہ تعالیٰ حمالوں کو بخشتا ہے اور جمرۂ عقبہ کے دن اللہ مانگنے والوں کو بخشتا ہے، چنانچہ اس جگہ جو بھی حاضر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش ہی دیتا ہے۔

یہ روایت موضوع ہے۔

دیکھئے: الموضوعات لابن الجوزی (2/ 215)، واللآلیء المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ (2/ 105)۔

۱۳۔ "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْحُجَّاجُ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، يُعْطِيهِمْ مَا سَأَلُوا، وَيَسْتَجِيبُ لَهُمْ مَا دَعَوْا، وَيُخْلِفُ عَلَيْهِمْ مَا أَنْفَقُوا الدِّرْهَمَ أَلْفَ أَلْفٍ"۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حج وعمرہ کرنے والے اللہ کے وفد ہیں، جو مانگتے ہیں اللہ انہیں دیتا ہے، جو دعا کرتے ہیں اللہ قبول کرتا ہے، اور جو خرچ کرتے ہیں انہیں اس کا بدلہ دے گا، ایک درہم کے بدلے ہزار ہزار درہم۔

یہ روایت حد درجہ ضعیف اور منکر ہے۔

دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (14/ 561، حدیث 6754)، وضعیف الجامع الصغیر (ص: 408، حدیث 2766)، وضعیف الترغیب والترہیب (1/ 178، حدیث 709)۔

۱۴۔ "عنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَال رَسُول اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسلَّمَ: إِنَّ لِلَّهِ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ عِشْرِينَ ومِئَة رَحْمَةٍ يَنْزِلُ عَلَى هَذَا الْبَيْتِ سِتُّونَ لِلطَّائِفِينَ وَأَرْبَعُونَ لِلْمُصَلِّينَ وَعِشْرُونَ لِلنَّاظِرِينَ"۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر رات ودن میں اللہ کی ایک سو بیس رحمتیں ہوتی ہیں، جو اس گھر پر اترتی ہیں، ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں کے لئے، چالیس نمازیوں کے لئے اور بیس رحمتیں دیدار کرنے والوں کے لئے۔

یہ روایت موضوع ہے۔

دیکھئے: الکامل فی ضعفاء الرجال (8/ 499)، والعلل المتناہیۃ (2/ 81، حدیث 940)، وسلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (1/ 423، و حدیث 256)، نیز دیکھئے: (1/ 339، حدیث 187)، و(1/ 342، حدیث 188)۔

۱۵۔ "من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني"۔

جس نے خانۂ کعبہ کا حج اور میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی۔

یہ روایت موضوع ہے۔

دیکھئے: الکامل فی ضعفاء الرجال (8/ 248)، والموضوعات لابن الجوزی (2/ 217)، والاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (ص: 348، حدیث 500)، وتنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ (2/ 172)، وسلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (1/ 119، حدیث 45)۔

۱۶۔ "من مات في أحد الحرمين؛ استوجبت شفاعتي، وجاء يوم القيامة من الآمنين"۔

جو دونوں حرم میں سے کسی میں وفات پائے گا، میری شفاعت واجب کرلے گا اور قیامت کے دن امن وامان میں آئے گا۔

یہ روایت موضوع ہے۔

دیکھئے: الضعفاء الکبیر للعقیلی (4/ 361)، والموضوعات لابن الجوزی (2/ 218)، وسلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (14/ 752، حدیث 6830)، وضعیف الترغیب والترہیب (1/ 192، حدیث 767)۔

۱۷۔ "من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي"۔

جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی، گویا اس نے زندگی میں میری زیارت کی۔

یہ روایت موضوع ہے۔

دیکھئے: الکامل فی ضعفاء الرجال (3/ 272)، وضعیف الجامع الصغیر (ص: 800، حدیث 5553)، و سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (1/ 120، حدیث 47)، نیز دیکھئے: (12/ 522)۔

۱۸۔ "من زار قبري وجبت له شفاعتي"۔

جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میرے شفاعت طے ہوگئی۔

یہ روایت موضوع ہے۔

دیکھئے: الضعفاء الکبیر للعقیلی (4/ 170)، وضعیف الجامع الصغیر وزیادتہ (ص: 808، حدیث 5607)۔

۱۹۔ "من زارني وزار أبي إبراهيم في عام واحد دخل الجنة"۔

جس نے ایک ہی سال میں میری اور میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی زیارت کی، وہ جنت میں داخل ہوگا۔

یہ روایت موضوع ہے۔

دیکھئے: تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ (2/ 176)، و الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (ص: 344، حدیث 489)، والمصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع (ص: 184، حدیث 336)، و النخبۃ البہیۃ فی الاحادیث المکذوبۃ علی خیر البریۃ (ص: 119، حدیث 353)، وسلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (1/ 120، وحدیث 46)۔

نوٹ: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب "قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ" میں فرماتے ہیں:

”إن أحاديث زيارة قبره كلها ضعيفة، لا يعتمد على شيء منها في الدين؛ لهذا لم يرو أهل الصحاح والسنن شيئاً منها، وإنما يرويها من يروي الضعاف كالدارقطني والبزار وغيرهما“۔[قاعدة جليلة فى التوسل والوسيلة (ص:143)]۔

نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کے سلسلہ میں تمام احادیث ضعیف ہیں، ان میں سے کچھ بھی دین میں معتبر نہیں، اسی لئے صحاح وسنن کے مصنفین نے ان میں سے کچھ بھی روایت نہیں کیا ہے، بلکہ انہیں امام دارقطنی اور بزار وغیرہ ضعیف احادیث روایت کرنے والے مصنفین نے روایت کیا ہے۔

نیز فرماتے ہیں: ”والأحاديث المروية في زيارة قبره كلها ضعيفة بل كذب“۔[قاعدة جليلة فى التوسل والوسيلة (ص:322)]

قبر نبوی کی زیارت کے بارے میں مروی تمام حدیثیں ضعیف بلکہ جھوٹ ہیں۔

۲۰۔ ”عَنْ عَائِشَةَ : أَنْ شَابًّا كَانَ صَاحِبَ سَمَاعٍ، فَكَانَ إِذَا هَلَّ هِلالُ ذِي الْحِجَّةِ أَصْبَحَ صَائِمًا، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا يَحْمِلُكَ عَلَى صِيَامِ هَذِهِ الأَيَّامِ؟ قَالَ: بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهَا أَيَّامُ الْمَشَاعِرِ وَأَيَّامُ الْحَجِّ عَسى الله عزوجل أَنْ يُشْرِكَنِي فِي دُعَائِهِمْ۔فَقَالَ: لَكَ بِكُلِّ يَوْمٍ عِدْلُ مِائَةِ رَقَبَةٍ تُعْتِقُهَا وَمِائَةِ رَقَبَةٍ تُهْدِيهَا إِلَى بَيْتِ اللَّهِ وَمِائَةِ فَرَسٍ تَحْمِلُ عَلَيْهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ فَذَلِكَ عِدْلُ أَلْفِ رَقَبَةٍ وَأَلْفِ بَدَنَةٍ وَأَلْفِ فَرَسٍ تَحْمِلُ عَلَيْهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ فَذَلِكَ عِدْلُ أَلْفَيْ رَقَبَةٍ وَأَلْفَيْ بَدَنَةٍ وَأَلْفَيْ فَرَسٍ تَحْمِلُ عَلَيْهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَصِيَامِ سَنَتَيْنِ قَبْلَهَا وَسَنَتَيْنِ بَعْدَهَا“۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک نوجوان صاحب سماع (گانے وغیرہ کا عادی) تھا، چنانچہ جب ذی الحجہ کا چاند ہوتا تو وہ روزہ رکھتا، نبی کریم ﷺ نے اسے بلوایا، اور پوچھا: تمہیں ان دنوں میں روزہ رکھنے پر کونسی چیز آمادہ کرتی ہے؟ اس نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! چونکہ یہ مشاعر اور حج کے ایام ہیں' لہٰذا اس امید میں کہ ہوسکتا اللہ تعالیٰ مجھے ان کی دعاؤں میں شامل فرمادے۔تو آپ نے فرمایا: تمہیں ہر دن کے بدلے سو غلام آزاد کرنے' بیت اللہ کے لئے سو غلام ہدیہ کرنے اور جہاد کے لئے سو گھوڑے تیار کرنے کا ثواب ملے گا، اور جب یوم الترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ کی تاریخ آئے گی تو اس کا ایک ہزار غلام آزاد کرنے' ایک ہزار اونٹ قربان کرنے اور اللہ کی راہ میں ایک ہزار گھوڑے تیار کرانے کا ثواب ملے گا، اور جب عرفہ کا دن ہوگا تو اس کا دو ہزار غلام آزاد کرنے' دو ہزار اونٹ قربان کرنے اور اللہ کی راہ میں دو ہزار گھوڑے تیار کرانے نیز دو سال پیشتر اور دو سال بعد روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔

یہ روایت موضوع اور جھوٹ ہے۔

دیکھئے: الموضوعات لابن الجوزی (2/ 198)، وتنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ (2/ 148)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: اگر یہ موضوع نہ ہو' تو دنیا میں کوئی موضوع حدیث ہے ہی نہیں! [دیکھئے: لسان المیزان لابن حجر رحمہ اللہ 5/ 320)]۔

❖ ❖ ❖

محرم الحرام: فضائل ومسائل

سرفراز فیضی : داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

ساری تعریفیں اللہ کے لیے جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے، آسمان و زمین، زمان و مکان جس کی مخلوق ہیں اور وہ اپنی مرضی سے اپنی جس مخلوق کو چاہتا ہے جس مخلوق پر چاہتا ہے جس طرح کی چاہتا ہے فضیلت اور برتری سے نوازتا ہے، اللہ رب العزت نے جس طرح زمین کے بعض حصوں کو بعض دوسرے حصوں پر بعض انسانوں کو انسانوں کو بعض انسانوں پر فضیلت دی ہے اسی طرح بعض زمانوں کو بعض دوسرے زمانوں پر مرتبے اور شرف کے لحاظ سے بلند کیا ہے، مہینے، عشرے، ہفتے، دن، رات سب اللہ کی مخلوقات ہیں لیکن فضیلت اور مرتبہ کے لیے لحاظ سے ان کے مراتب یکساں نہیں، سال کے دنوں میں سب سے افضل دن عرفہ کا دن ہے، راتوں میں افضل ترین رات لیلۃ القدر ہے، عشروں میں افضل عشرہ ذی الحجہ کا پہلا اور رمضان کا آخری عشرہ ہے، اسی طرح بارہ مہینے کی تعداد بھی اللہ ہی نے طے کی ہے اور تقرر کائنات ابتداء ہی سے ہے، مہینوں کی یہ گنتی کسی مخلوق کی ایجاد نہیں، اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمایا:

(إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ أَنْفُسَكُمْ) (التوبہ:۳۶) اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں مہینوں کی گنتی بارہ ہے، اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا ہے۔ ان میں سے چار مہینے ادب واحترام کے لائق ہیں، یہی درست دین ہے لہٰذا ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

ان بارہ مہینوں میں چار مہینے حرمت والے مہینے ہے، ان چار مہینو کا ذکر اللہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں موجود ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمانہ اپنی اسی حالت پر واپس لوٹ آیا ہے کہ جس پر وہ اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی تھی۔ سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار حرمت والے ہیں، تین تو لگاتار ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا مضر قبیلے کا ماہِ رجب جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے۔ (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ التوبہ/مسلم: کتاب القسامہ، باب تغلیظ تحریم الدماء)

مہینوں کی حرمت کا معنیٰ :

اسلامی شریعت کے اصولوں کے مطابق نیکی کی عظمت اور گناہ کی شناعت وقباحت اور ان پر ملنے والا ثواب وعذاب ہمیشہ یکساں نہیں رہتا بلکہ زمان، مکان اور مفعول کے مطابق اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، مثلاً گالی دینا ایک جرم عظیم ہے لیکن اپنے والد کو گالی دینے، یا مسجد میں گالی دینے یا ماہ رمضان میں گالی دینے سے اس گناہ کی قباحت اور عذاب بڑھ جاتا ہے، ایسے ہی مسلمان پر صدقہ کرنا عظیم ثواب کا کام ہے لیکن عام مسلمان کی بنسبت اپنے رشتہ دار مسلمانوں پر مال خرچ کرنے ثواب زیادہ ہے، اسی طرح ذی الحجہ کے پہلے عشرے میں صدقہ کا ثواب دیگر دنوں میں صدقے سے زیادہ ہے، نماز عظیم ترین نیکی ہے اور اگر نیکی کا یہ عمل مسجد حرام اور مسجد نبوی میں ادا کیا جائے تو اس کا ثواب

دیگر مقامات پر ادائگی نمازوں سے زیادہ ہوجاتا ہے۔

مہینوں کی حرمت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ دیگر سال کے دیگر مہینوں کی بنسبت ان حرام مہینوں کی عظمت اور مرتبہ اللہ کے نزدیک زیادہ ہے لہٰذا ان مہینوں میں نیکیوں پر دیگر مہینوں کی بنسبت زیادہ ثواب دیا جاتا ہے، اسی طرح ان مہینوں میں معاصی کا ارتکاب دیگر مہینوں سے زیادہ شنیع اور مذموم ہے، لہذا ان مہینوں میں اہل ایمان کو نیک اعمال کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے اور گناہ کے کاموں سے اجتناب کی کوشش بھی زیادہ کرنی چاہیے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ سورہ توبہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

جس طرح مسجد حرام میں الحاد دیگر کسی مقام میں الحاد سے بڑا گناہ ہے جیسا کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمایا:

(وَمَنۡ يُرِدۡ فِيهِ بِإِلۡحَادِۭ بِظُلۡمٖ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ أَلِيمٖ)

[الحج: 25] ترجمہ: " جو بھی ظلم کے ساتھ مسجد حرام میں الحاد (ہٹ دھرمی، بے راہ روی) کا ارادہ کرے گا، ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔" اسی طرح حرام مہینوں میں بھی گناہ ارتکاب دیگر مہینوں کی بنسبت زیادہ سخت ہے اور ان سے بچنے کی زیادہ تاکید ہے، اسی لیے امام شافعی سمیت علماء کی ایک جماعت کے نزدیک حرام مہینوں میں دیت بڑھا کر ادا کی جائے گی۔

تفسیر خازن جلد ۳ ص ۴۷ میں ہے :

ان مہینوں کا نام حرمت والے مہینے اس لئے پڑ گیا کہ عرب دورِ جاہلیت میں ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے اور ان میں لڑائی جھگڑے کو حرام سمجھتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اپنے یا بیٹے یا بھائی کے قاتل کو بھی پاتا تو اس پر بھی حملہ نہ کرتا۔ اسلام نے ان کی عزت واحترام کو اور بڑھایا۔ نیز ان مہینوں میں نیک اعمال اور طاعتیں ثواب کے اعتبار سے کئی گنا بڑھ جاتی ہیں۔ اسی طرح ان میں برائیوں کا گناہ دوسرے دنوں کی برائیوں سے سخت ہے۔

لہٰذا ان مہینوں کی حرمت توڑنا جائز نہیں۔

چار مہینوں کی حرمت کی حکمت :

ان چار مہینوں کو خصوصی حرمت دیے جانے کی حکمت کے بارے میں علماء کا کہنا ہے کہ ذی الحجہ کا مہینہ کیونکہ حج کا مہینہ ہے اس لیے اس مہینے کو حرام قرار دیا تاکہ حج کے موقع پر امن وسلامتی کا ماحول رہے اور جنگ وجدال کی وجہ سے عبادت حج کی ادائیگی میں خلل واقع نہ ہو، ذی الحجہ سے پہلے ذی القعدہ کا مہینہ اس لیے حرام قرار دیا گیا کیونکہ اس مہینے میں حاجی مختلف علاقوں سے سفر حج کی ادائیگی کی خاطر مکہ کا رخ کرتے تھے، اس مہینے میں امن و امان کا ماحول رہے تاکہ حجاج کرام کو سفر میں قتل و غارت گیری اور لوٹ مار کی صعوبتوں کا سامنا نہ ہو۔ ذی الحجہ کے بعد محرم کا مہینہ حجاج کا اپنے گھروں میں واپسی کا مہینہ ہے لہٰذا اس مہینے کو حرام کیا گیا تاکہ واپسی کا سفر بھی امن وسلامتی کے ساتھ طے ہو اور سال کے بیچ میں ایک مہینہ رجب کا حرام قرار دیا گیا تاکہ بیچ سال میں کوئی عازم بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کے قصد سے مکہ سفر کرنا چاہے جنگ وجدال اور لوٹ مار کے مصیبتوں سے محفوظ رہے۔

نسی کی بدعت :

مشرکین مکہ بھی حرمت کے ان مہینوں کا احترام کرتے تھے، ان مہینوں میں قتل وخونریزی اور جنگ وجدال سے پرہیز کرتے تھے، البتہ دین ابراہیمی میں دوسری بدعات کی طرح اس معاملہ میں بھی انہوں نے نسئی کی بدعت ایجاد کرلی تھی، اس بدعت کے متعلق اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

(اِنَّمَا النَّسِیۡٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ یُضَلُّ بِہِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُحِلُّوۡنَہٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوۡنَہٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوۡا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَیُحِلُّوۡا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ ؕ زُیِّنَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ اَعۡمَالِہِمۡ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ)

مہینوں کو پیچھے ہٹا دینا ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں۔ وہ ایک سال تو کسی مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال اسی مہینہ کو حرام کر لیتے ہیں تا کہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی گنتی پوری کر لیں۔ اس طرح وہ اس مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا تھا۔ ان کے لئے ان کے برے اعمال خوشنما بنا دیئے گئے ہیں اور اللہ کافروں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی سورہ توبہ کی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں : مشرکین عرب کے نزدیک چار ماہ حرمت والے تھے۔ ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم حج کے لیے اور رجب عمرہ کے لیے۔ ان مہینوں میں لوٹ مار اور جدال وقتال حرام تھا اور اس دوران لوگ آزادی کے ساتھ سفر اور تجارت وغیرہ کر سکتے تھے۔ اگرچہ لوٹ مار اور لڑائی جھگڑا ہر وقت ہی ایک گناہ کا کام تھا تاہم ان مہینوں میں اسے شدید تر گناہ سمجھا جاتا تھا لیکن مشرک اپنی اغراض کی خاطر ان مہینوں میں ادل بدل کر کے سال میں چار حرمت والے مہینوں کی تعداد پوری کر لیتے تھے۔ مثلاً کوئی زورآور قبیلہ جب محرم میں اپنے کسی کمزور دشمن قبیلے سے انتقام لینا یا جنگ چھیڑنا چاہتا تو وہ یہ اعلان کر دیتا کہ اس سال محرم کے بجائے صفر حرمت والا مہینہ قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس طرح وہ اپنی من مانی اغراض پوری کر لیتا اور اگلے سال پھر اعلان کر دیتا کہ اس سال محرم کا مہینہ ہی حرمت والا مہینہ شمار ہوگا۔ اور اس غرض کے لیے رد و بدل عموماً محرم اور صفر کے متعلق ہی ہوا کرتا تھا۔ اور ایسا اعلان کرنے والا شخص بنو کنانہ کا ایک سردار تلمس تھا۔ اس طرح یہ لوگ مہینوں کی حلت وحرمت کے خود بخود ہی مختار بن بیٹھے تھے۔ مہینوں کو آگے پیچھے کر لینے کا ایک دوسرا طریق بھی مشرکین عرب میں رائج ہو چکا تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ ہر قمری سال میں ۱۰ دن زیادہ شمار کر کے اسے شمسی سال کے مطابق بنا لیتے تھے۔ اور اسے کبیسہ یا لوند یا لیپ (LeAP) کہا کرتے تھے اور اسی کبیسہ کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ ہر تین قمری سال بعد ایک ماہ زائد شمار کر لیا جاتا تھا تا کہ قمری سال بھی شمسی سال کے مطابق رہے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حج کے موقعہ پر بیت اللہ کے متولیوں کو اور دوسرے عبادت خانوں کے مجاوروں کو جو نذرانے پیش کیے جاتے تھے وہ عموماً غلہ کی صورت میں ہوتے تھے اور غلہ پکنے کا تعلق سورج یا شمسی سال سے ہوتا ہے۔ اگر وہ قمری تقویم پر قائم رہتے تو ان کے نذرانے انہیں بروقت نہیں مل سکتے تھے۔ محض اس دنیوی مفاد کی خاطر انہوں نے دوسرے ملکوں کی دیکھا دیکھی یہ کبیسہ کا طریق اختیار کیا تھا۔"

محرم کی وجہ تسمیہ :

نسی کا یہ عمل بالعموم محرم ہی کے مہینے کے ساتھ ہوتا تھا کہ اس مہینے کو بالعموم صفر سے بدل کر حلال کر لیا جاتا، لہٰذا اس مہینے کی حرمت کو مزید نمایاں کرنے کے لیے اس نام ہی محرم رکھا گیا، محرم کے معنیٰ ہی ہوتے ہیں حرام کیا گیا مہینہ۔

حرمت وفضیلت طے کرنے کا حق صرف اللہ کو ہے :

مہینوں کی حرمت میں الٹ پھیر کو اللہ رب العزت نے کفر میں زیادتی کا سبب قرار دیا ہے، جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ زمانوں کی فضیلت اور حرمت طے کرنا تشریع ہے جس کا حق اللہ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں، لہٰذا اللہ نے جن مہینوں، عشروں، رات اور دن کی جتنی فضیلت متعین کر دی ہے نہ ان فضیلتوں کا ختم کیا جا سکتا ہے نہ ان ایسی حرمت وفضیلت کسی دوسرے دن، مہینے، یا عشرے کو دی جا سکتی ہے، یہ ایک تعبدی معاملہ ہے اس میں عقل اور قیاس کا کوئی دخل نہیں، یہ معاملہ خالص تشریع کا ہے اور تشریع کا حق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی کو حاصل نہیں، اور اس میں دخل اندازی کرنا اور فضیلتوں میں ہیر پھیر کرنا دین میں بدعت ایجاد کرنا ہے جس کی شدید مذمت قرآن وسنت میں وارد ہے۔

محرم اللہ کا مہینہ :

محرم وہ واحد مہینہ جسے" اللہ کا مہینہ" کہا گیا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : أَفْضَلُ الصِّيَامِ، بَعْدَ رَمَضَانَ، شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ، وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ، بَعْدَ الْفَرِيضَةِ، صَلَاةُ اللَّيْلِ. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔کہا: رسول اللہ ﷺ نے فریا:" رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے" محرم" کے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔(مسلم: کتاب الصیام: باب فضل صوم المحرم)

محرم کے روزوں کی فضیلت :

احادیث میں محرم کے روزوں کو رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل قرار دیا ہے گیا ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے اس مہینے کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف کرتے ہوئے اس کو اللہ کا مہینہ قرار دیا ہے۔جس سے دین اسلام میں اس ماہ کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

رمضان المبارک کے بعد اللہ کے مہینے محرم کے روزے سب روزوں سے افضل ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز آدھی رات (یعنی تہجد) کے وقت پڑھی جانے والی نماز ہے۔"

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، يَرْفَعُهُ، قَالَ: سُئِلَ: أَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ؟ وَأَيُّ الصِّيَامِ أَفْضَلُ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ؟ فَقَالَ: أَفْضَلُ الصَّلَاةِ، بَعْدَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ، الصَّلَاةُ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ، وَأَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ، صِيَامُ شَهْرِ اللهِ الْمُحَرَّمِ. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، وہ اس کو نبی ﷺ کی طرف سے بیان کر رہے تھے۔کہا: آپ سے دریافت کیا گیا: فرض نماز کے بعد کون سی نماز افضل ہے اور ماہ رمضان کے بعد کون سے روزے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فریا:" فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز آدھی رات کی نماز ہے اور رمضان کے مہینے کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے روزے ہیں۔(صحیح مسلم: كِتَابُ الصِّيَامِ (بَابُ فَضْلِ صَوْمِ الْمُحَرَّمِ)

محرم کے مہینے میں روزوں کی فضیلت کے مدنظر اس مہینے میں اہل ایمان کو کثرت سے روزے رکھنے کا اہتمام کرنا چاہیے، البتہ اللہ کے نبی ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی بھی مہینے کے سارے دن روزہ نہیں رکھا لہذا رمضان کے علاوہ محرم سمیت تمام مہینوں میں پورے مہینہ روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رویت کی کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ روزے رکھتے حتی کہ ہم کہتے: آپ ﷺ روزے ترک نہیں کریں گے اور آپ ﷺ روزے چھوڑ دیتے حتی کہ ہم کہتے آپ ﷺ روزے نہیں رکھیں گے، اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے سوا کبھی کسی مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں۔(صحیح مسلم: كِتَابُ الصِّيَامِ (بَابُ صِيَامِ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَيْرِ رَمَضَانَ، وَاسْتِحْبَابِ أَنْ لَا يُخْلِيَ شَهْرًا عَنْ صَوْمٍ))

محرم میں کثرت صیام کی حکمت :

محرم میں کثرت صیام کی حکمت واضح کرتے ہوئے حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ماہ محرم کو اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ کا مہینہ قرار دیا ہے، اللہ کی طرف اس مہینے کی نسبت سے اس مہینے کی شرف ومنزلت آشکارا ہوتی ہے، روزہ کو بھی تمام عبادات کے مقابلہ میں یہ فضیلت حاصل ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرمایا: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصَّوْمَ، فَإِنَّه لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، ترجمہ: ابن آدم

کا ہر عمل اس کے لیے ہے سوائے روزے کے، روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزاء میں خود دوں گا۔" لہٰذا جیسے اس مہینے کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہوئے اس اللہ کا مہینہ کہا گیا تو مناسب ہے کہ اس میں کثرت بھی روزے کی اس عبادت کی کی جائے جس کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی ہے۔

عاشوراء کی تاریخی حیثیت :

عاشوراء یوم عظیم، یوم صالح، یوم شکر :

محرم کی دسویں تاریخ کو عاشوراء کہا جاتا ہے، اس کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ اسی دن اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر فتح عطا فرمائی تھی، بنی اسرائیل کو اسی دن فرعون کی غلامی اور ظلم و بربریت سے نجات دی گئی اور فرعون کو اس کی سرکشی اور ظلم کی پاداش میں غرقاب کیا گیا تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، لَمَّا قَدِمَ المَدِينَةَ، وَجَدَهُمْ يَصُومُونَ يَوْمًا، يَعْنِي عَاشُورَاءَ، فَقَالُوا: هَذَا يَوْمٌ عَظِيمٌ، وَهُوَ يَوْمٌ نَجَّى اللَّهُ فِيهِ مُوسَى، وَأَغْرَقَ آلَ فِرْعَوْنَ، فَصَامَ مُوسَى شُكْرًا لِلَّهِ، فَقَالَ»أَنَا أَوْلَى بِمُوسَى مِنْهُمْ« فَصَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ. حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگوں کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ انھوں نے بتایا کہ یہ بڑی عظمت والا دن ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی تھی اور آل فرعون کو غرق کیا تھا۔ اس بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکر ادا کرنے کے لیے اس دن کا روزہ رکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:" ہم ان کی نسبت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قرب رکھتے ہیں، چنانچہ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔" (صحيح البخاري: كِتَابُ أَحَادِيثِ الأَنْبِيَاءِ (بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى} [طه: 9] {وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا} [النساء: 164]))

بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے " **قَالُوا هَذَا يَوْمٌ صَالِحٌ هَذَا يَوْمٌ نَجَّى اللَّهُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ عَدُوِّهِمْفَصَامَهُ مُوسَى** ---"" یہ ایک صالح دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس کے دشمن سے نجات دی تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا۔"

قریش کے لوگ دورِ جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ مدینہ تشریف لے آئے تب بھی عاشوراء کا روزہ رکھتے اور صحابہ کرام کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا آپ نے حکم دے رکھا تھا۔ البتہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشوراء کی فرضیت ختم ہوگئی۔ لہٰذا اب جو چاہے یہ روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔" (بخاری: کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشورا؛ ۲۰۰۳/مسلم: کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء؛ ۱۱۲۵)

عاشوراء کے روزے کی فضیلت :

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ: **مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلَى غَيْرِهِ إِلَّا هَذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَهَذَا الشَّهْرَ يَعْنِي شَهْرَ رَمَضَانَ.**

میں نے نبی کریم ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے عاشوراء کے دن اور رمضان کے مہینے کے علاوہ کسی دن کو افضل سمجھ کر آپ نے اس کا روزہ رکھا ہو۔ (صحيح البخاري: كِتَابُ الصَّوْمِ (بَابُ صِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ)

حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**وصِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ**'' ''مجھے اللہ تعالیٰ سے

اُمید ہے کہ یوم عاشورا کا روزہ گذشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا''۔ (مسلم : کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام)

عاشوراء کے روزے صرف صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہیں اگراللہ رب العزت نے روزے قبول کرلیے تو :

عاشوراء کے روزوں سے گناہوں کی مغفرت کے متعلق دو باتیں ملحوظ رکھنی چاہیے، پہلی یہ ہے عاشوراء کے روزے سے گناہوں کی مغفرت اس شرط پر ہوتی ہے کہ اللہ کے یہاں بندے روزہ مقبول ہو،لہذا کسی کواس دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے کہ اس نے کیونکہ عاشورا کا روزہ رکھ لیا ہے اس لیے لازما اس کے ایک سال کے گناہ مٹادیے گئے ہیں کیونکہ عمل کے مقبول یا مردود ہونے کا امکان ہمیشہ رہتا ہے اس لیے مومن بڑی سی بڑی نیکی کرکے بھی خوف میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں اللہ کے یہاں اس کی نیکی رد نہ کردی جائے اور مسلسل اللہ سے اعمال کی قبولیت کے لیے دعا گو رہتا ہے۔

دوسری بات جس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اگر عاشوراء کا روزہ مقبول بھی ہوجائے وہ صرف صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے ،شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

نبی ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ یوم عرفہ کے روزے سے دو سال اور عاشورا کے روزے سے ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں،لیکن آپ کے یہ فرمانے سے کہ گناہ معاف ہوتے ہیں یہ لازم نہیں آتا کہ کبیرہ گناہ بھی بلا توبہ معاف ہوجاتے ہیں؛ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں فرمایا ہے کہ: (ایک جمعہ سے اگلے جمعہ اور ایک رمضان سے اگلے رمضان تک کے گناہ اس جمعہ اور روزے سے معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے)

اور یہ بات معلوم ہے کہ نماز ،روزوں سے افضل ہے اور رمضان کے روزے،عرفہ کے دن کے روزوں سے افضل ہیں، اور یہ روزے اور نماز بھی اس وقت گناہوں کی معافی کا سبب بنتے ہیں جبکہ کبائر سے اجتناب کیا جائے جیسا کہ آپ ﷺ نے خود یہ شرط لگائی ہے؛تو یہ کیسے سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک یا دو نفلی روزے، زنا،چوری ،شراب نوشی، جوا اور جادو وغیرہ جیسے کبیرہ گناہوں کا کفارہ بن جائیں؟لہذا ایسا ممکن نہیں ہے" مختصر الفتاوی المصریہ" (254/1)

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

بعض کہتے ہیں عاشورا کا روزہ سال کے سارے گناہ مٹادیتا ہے،اورعرفہ کے روزے سے اجر میں اضافہ ہوجاتا ہے،اس غافل کو یہ علم نہیں کہ رمضان کے روزے،اور نماز پنجگانہ،عرفہ اور عاشورا کے روزے سے افضل اور برتر ہیں،اور یہ اپنے درمیان کے گناہ کی معافی کا اس وقت سبب بنتے ہیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے، چنانچہ ایک رمضان سے لیکر دوسرے رمضان تک اور ایک جمعہ سے لیکر دوسرے جمعہ تک کے صغیرہ گناہوں کی معافی کا یہ اس وقت تک سبب نہیں بن سکتے جب تک کہ ان کے ساتھ کبائر سے اجتناب کے عمل کو شامل نہ کیا جائے، چنانچہ دونوں امور[صوم وصلوۃ اور اجتناب کبائر] کا مجموعہ مل کر ہی صغیرہ گناہوں کی بخشش کا سبب بنے کے قابل ہوتے ہیں۔

لہٰذا ایک دن کا نفلی روزہ کیسے بندے کے سارے کبیرہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن سکتا ہے جبکہ وہ اس کبیرہ پر مصر بھی ہے اور اس سے توبہ بھی نہیں کی؟ ایسا ناممکن ہے۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ عرفہ اور عاشورا کا روزہ عمومی طور پر سال کے تمام گناہوں کا کفارہ ہو،اور یہ حدیث ان وعدے والی نصوص میں سے ہو جس کے لئے کچھ شرائط اور موانع ہیں،اور سائل آدمی کا گناہ پر دوام اور اڑے رہنا گناہوں کی معافی کے لئے رکاوٹ

ہوگا، چنانچہ اگر کبیرہ پر مصر نہیں ہے تو روزہ اور عدم اصرار مل کر ایک دوسرے کے تعاون سے صغیرہ وکبیرہ تمام گناہوں کو مٹادیں، جیسا کہ رمضان اور نماز پنجگانہ، کبائر سے اجتناب کیساتھ مل کر اور ایک دوسرے کی معاونت سے صغائر کو مٹادیتے ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

(إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ) اگر تم منع کردہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کروتو ہم تمہارے صغیرہ گناہ مٹادیں گے [النساء:31]

اب یہ بات واضح رہے کہ کسی چیز کو گناہوں کی معافی کا سبب بنانا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ وہ کسی اور سبب سے مل کر گناہوں کی معافی کا سبب بنے ،اور گناہوں کی معافی کے دو اسباب سے ملنے والی معافی تنہا سبب کی بہ نسبت زیادہ قوی اور کامل ہوگی ،جس قدر گناہوں کی معافی کے اسباب قوی ہوں گے گناہ اتنے ہی زیادہ گناہ معاف ہوں گے اور اچھی طرح گناہوں کی صفائی ہوگی" "الجواب الکافی" صفحہ:(13)

عاشوراء کے ساتھ نویں محرم کا روزہ رکھنا :

حضرت ابن عباس سے مروی ہے:

حِينَ صَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهُ يَوْمٌ تُعَظِّمُهُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: »فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَاءَ اللهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ« قَالَ: فَلَمْ يَأْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ، حَتَّى تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ. " جس وقت رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ کے دن روزہ رکھا اور اس کے روزے کا حکم فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ !اس دن تو یہودی اور نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آئندہ سال آئے گا تو ہم نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھیں گے راوی نے کہا کہ ابھی آئندہ سال نہیں آیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے۔" (صحيح مسلم: كِتَابُ الصِّيَامِ (بَابُ أَيُّ يَوْمٍ يُصَامُ فِي عَاشُورَاءَ))

اگر عاشوراء کا دن جمعہ کے دن ہو تو کیا عاشوراء کا روزہ جمعہ کے دن رکھا جاسکتا ہے؟

سعودی کی دائمی فتویٰ کمیٹی نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ :

حضور اکرم ﷺ نے تمام دنوں میں صرف جمعہ کے دن کا خاص کر روزہ رکھنے سے منع کیا ہے، اور آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ جمعہ سے پہلے یا جمعہ کے بعد والے دن کا روزہ بھی ساتھ رکھا جائے ،لیکن جب جمعہ کے دن یوم عرفہ یا یوم عاشوراء پڑ جائے، تو جمعہ کے دن روزہ رکھنا جائز ہے، اس لئے کہ وہ عرفہ یا عاشوراء کا دن شمار ہوگا، چنانچہ امام مسلم نے حضرت أبو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا:

جمعہ کی رات کو دیگر راتوں سے ہٹ کر کسی خاص عبادت کے ساتھ خاص نہ کرو، اور نہ جمعہ کے دن کو دیگر دنوں سے ہٹ کر کسی خاص روزے سے خاص کرو، ہاں اگر جمعہ اس دن آجائے، جس میں تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہی ہے [تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے]۔

اور ان دو روزوں [عرفہ اور عاشوراء] کی فضیلت کے بارے میں یہ آیا ہے کہ یہ گزشتہ سالوں کے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں، اور عرفہ کے روزے کے بارے میں یہ آیا ہے کہ وہ پچھلے اور اگلے سالوں کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، لہٰذا روزہ رکھنے والا شخص اگر اس ناحیے سے روزہ رکھے، تو [جمعہ کے دن] روزہ رکھنا جائز ہے۔

جس شخص پر رمضان کے روزوں کی قضاء باقی ہو کیا وہ عاشوراء کا رزہ رکھ سکتا ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ يَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ، فَمَا

أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَ إِلاَّ فِي شَعْبَانَ. رمضان کے جو روزے مجھ سے چھوٹ جاتے تھے شعبان سے پہلے مجھے ان کی قضاء کی توفیق نہ ہوتی۔ (صحیح بخاری، کتاب الصوم، بَابٌ: مَتَى يُقْضَى قَضَاءُ رَمَضَانَ)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: "اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رمضان کی قضاء کو مطلق طور پر مؤخر کرنا جائز ہے، خواہ عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے"۔ (فتح الباری: ۱۹۱/ ۴)

ظاہر سی بات ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سال کے درمیان میں بہت سارے نفل روزے رکھتی ہوں گی جن میں عاشوراء اور عرفہ وغیرہ بھی شامل ہے لہٰذا جن پر رمضان کے روزوں کی قضاء باقی ہے ان کے لیے نفل روزے رمضان کی روزوں کی قضاء سے پہلے رکھنے میں حرج نہیں البتہ بہتر ہے کہ نفل روزوں سے پہلے رمضان کے روزوں کی قضاء کر لی جائے۔

کسی سبب سے اگر یوم عاشورہ کا روزہ نہ رکھ سکے تو کیا اس کی قضاء کر سکتا ہے؟

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے درج ذیل سوال دریافت کیا گیا:

اگر یوم عاشوراء کے ایام میں کوئی عورت ماہواری کی حالت میں ہو تو کیا وہ اس اس روزے کی قضاء کرے گی؟ یا کوئی قاعدہ اور اصول ہے کہ کہ کون سے نوافل کی قضاء ہوگی اور کون سے نوافل کی قضاء نہیں ہوگی۔

شیخ رحمہ اللہ کا جواب تھا :

نوافل دو قسم کے ہیں :

ایک سبب والے ہے، اور دوسرے سبب کے بغیر، جس کا کوئی سبب ہو تو وہ سبب فوت ہو جانے سے وہ خود بھی فوت ہو جائیگا اور اس کی قضاء نہیں کی جائیگی، اس کی مثال تحیۃ المسجد ہے، اگر کوئی شخص آئے اور بیٹھ جائے اور طویل مدت تک بیٹھا رہے اور پھر وہ تحیۃ المسجد کی دو رکعت ادا کرنا چاہے تو یہ تحیۃ المسجد نہیں ہوں گی کیونکہ یہ سبب والی نماز تھی، اور یہ سبب کے ساتھ مربوط ہے، اس لیے اگر سبب فوت ہو جائے تو اس کی مشروعیت بھی ختم ہو جائے گی۔

اسی طرح ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یوم عرفہ اور یوم عاشوراء بھی ایسے ہی ہے، اس لیے اگر یوم عرفہ اور یوم عاشوراء کا روزہ بغیر کسی عذر مؤخر کر دے تو بلاشبہ اس کی قضاء نہیں کی جائے گی، اور اگر قضاء میں روزہ رکھ بھی لے تو اسے ک کوئی فائدہ نہیں ہوگا، یعنی اسے یہ فائدہ نہیں ہوگا کہ ک اس نے یوم عرفہ اور یوم عاشوراء کا روزہ رکھا ہے۔(" مجموع فتاویٰ ابن عثیمین" (20/43)

صرف عاشوراء کے دن روزہ رکھنا:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

صیام یوم عاشوراء کفارة سنة ولا یکرہ افرادہ بالصوم." عاشوراء کا وزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے اور صرف عاشوراء کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے۔" (الفتاویٰ الکبریٰ ج5)

الشیخ محمد بن صالح العثیمین اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

تنہا عاشوراء کا روزہ رکھنے کی کراہت پر تمام اہل علم متفق نہیں ہیں، بلکہ بعض علما کے نزدیک سرے سے مکروہ ہی نہیں ہے، لہٰذا افضل یہ ہے کہ عاشورا سے پہلے نو یا عاشورا کے بعد گیارہ محرم کا روزہ ساتھ ملایا جائے) البتہ نو محرم کا روزہ ساتھ ملانا گیارہ کی نسبت زیادہ افضل ہے،

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

لئن بقیت إلى قابل لأصومنّ التاسع.

اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں محرم کا روزہ بھی رکھوں گا "یعنی دسویں محرم کے ساتھ۔ (مجموع فتاویٰ و رسائل الشیخ محمد صالح العثیمین المجلد العشرون کتاب الصیام)

❖ ❖ ❖

آئینۂ جمعیت و جماعت

جماعتی خبریں

دفتر صوبائی جمعیت

حجاج کرام حج کے موقع پر سعودی حکومت اور اپنے ٹورس حج کمیٹی کی ہدایات اور ضوابط کی پابندی کریں اور ذمہ داروں کا مکمل تعاون فرمائیں۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی جانب سے منعقد کیے گئے حج ٹریننگ کیمپ اور اجلاس عام میں علماء کرام کا بیان :

حجاج کی ذہنی اور عملی تربیت کے لیے حج ٹریننگ کیمپ کا انعقاد صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی روایت رہی ہے۔ اس روایت کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے اس سال ۲۲ / جولائی ۲۰۱۸ بروز اتوار مسجد خالد بن عبدالرحمٰن، ٹیمکر محلہ، نزد جے جے ہاسپٹل، ناگپاڑہ، ممبئی میں حج ٹریننگ کیمپ کا انعقاد مولانا عبدالسلام سلفی کی صدارت میں کیا گیا ہے، عصر کی نماز کے بعد حج ٹریننگ کیمپ کا آغاز حافظ اشرف علی سنابلی تلاوت سے ہوا، تلاوت قرآن کے بعد صوبائی جمعیت کے داعی شیخ سرفراز فیضی نے "صحابہ معیار حق ہیں" اس موضوع پر خطاب کیا، اپنے خطاب میں انہوں قرآن وسنت کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ دین کے معاملہ میں صحابہ معیار ومیزان ہیں اور قرآن وسنّت کا فہم وہی معتبر ہے جو صحابہ سے منقول ہے۔

ان کے بعد صوبائی جمعیت ہی کے داعی شیخ عنایت اللہ مدنی نے خطاب کیا، شیخ کے موضوع کا عنوان "حج کا عملی طریقہ" تھا، شیخ نے تمہید میں کہا کہ حج ایک ایسی عبادت جو استطاعت کے ساتھ مشروط ہے لہٰذا جن لوگوں کے پاس استطاعت ہو ان کو حج میں تاخیر نہیں کرنا چاہیے، جو پرائیویٹ ٹور آپریٹر کے ذریعہ حج کرنے کی مالی استطاعت رکھتے ہوں ان کو حج کمیٹی کی جانب سے کئی سالوں تک انتظار کرنا مناسب طرز عمل نہیں، شیخ نے بہت تفصیل سے حج کا عملی طریقہ سنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بیان فرمایا اور حج کے متعلق پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا، شیخ نے عازمین حج کو اس کی بھی تاکید کی مختلف موقعوں پر وہ حکومت کے کارندوں، حج کمیٹی کے ذمہ داران اور دیگر اتھارٹیز کا مکمل تعاون کریں اور ان کے طے کیے گئے خطوط اور ہدایات کے مطابق حج ادا کریں۔

شیخ عنایت اللہ مدنی کے بعد شیخ شمیم احمد عبدالحلیم مدنی نے حاجیوں سے ہونے والی عام غلطیوں کی نشاندہی کی، شیخ نے حج سے پہلے، حج کے درمیان اور حج کے بعد ہونے والی

غلطیوں، کوتاہیوں اور بد اعتقادیوں کی نشاندہی فرمائی، شیخ نے اپنے خطاب میں کہا کہ ایسے شخص کی نیکیاں قبول نہیں ہوتی جنہوں نے کسی مسلمان سے تعلق ختم کر رکھا ہو لہذا حج کے سفر پر روانگی سے پہلے تمام مسلمانوں سے تعلق بحال کرلیں، شیخ نے مزید کہا کہ حج میں ریا کاری سے بچیں اور مقامات مقدسہ میں سیلفی لینے سے پرہیز کریں۔

شیخ کے خطاب کے بعد ناشتے اور نماز مغرب کے لیے وقفہ دیا گیا، مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد پہلا خطاب شیخ محمد مقیم فیضی حفظہ اللہ کا ہوا شیخ نے ملک کے مختلف حصّے میں پھیلے مہدی اور مسیح ہونے کے جھوٹے مدّعی کے فتنے کے ردّ میں خطاب کیا، شیخ نے اپنے بیان میں اہل سنت اور روافض کے تصوّر مھدی کا فرق بیان کیا، شیخ نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ احادیث میں بیان کی گئی حضرت مھدی کی شخصیت کے متعلق جو صفات بیان کی گئی ہیں ان سے یہ بات واضح ہے کہ امام مہدی حضرت عیسی مسیح سے مختلف ہیں۔

شیخ محمد مقیم فیضی کے خطاب کے بعد شیخ سعودی عرب سے تشریف لائے شیخ محمد بن رمزان الھاجری کا خطاب ہوا، شیخ نے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوھاب کی کتاب " فضل الاسلام" کی مختصر شرح فرمائی، شیخ نے اسلام کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام اللہ کی طرف سے اتارا گیا واحد دین ہے جس کی اتباع پر آخرت میں بندے کی کامیابی کا انحصار ہے، شیخ نے بدعت کی قباحتوں کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ بدعت گناہ سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ بدعتی بدعت پر عمل کرتے ہوئے اس کی نیکی کا گمان کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ اللہ کا تقرب چاہتا ہے اور جب کہ عام گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے اس کے دل میں اس کی قباحت اور ملامت موجود ہوتی ہے۔

شیخ محمد بن رمزان الھاجری کے خطاب اور دعاؤں پر پروگرام کا اختتام ہوا، الحمد للہ بڑی تعداد میں لوگوں نے اجتماع میں شرکت کی، اور جماعت کی اہل علم اور بزرگ شخصیتوں نے بھی اجلاس میں شرکت فرما کر مجلس کی عزت میں اضافہ فرمایا، اجلاس میں نظامت کے فرائض مولانا سراج الحق عالیاوی نے بحسن وخوبی انجام دیئے۔ ذمے داران مسجد اور دیگر احباب کی طرف سے عوام وخواص کی ضیافت کا عمدہ نظم تھا اللہ تعالیٰ سب کی کوششوں کو قبول فرمائے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے راحتی وفد کا چارروزہ دورۂ کیرلا

سیلاب متاثرین ہرطرح کےتعاون وہمدردی اور دعاؤں کے مستحق ہیں: مولانا عبدالسلام سلفی

مورخہ ۹/ستمبر ۲۰۱۸ کو صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کا ایک چار رکنی وفد مولانا عبدالسلام سلفی کی زیر قیادت کیرلا سیلاب متاثرین کی باز آباد کاری اور تعاون کے لیے کالی کٹ پہنچا، جمعیت کا یہ اعلیٰ سطحی وفد شیخ عبدالجلیل انصاری صاحب (مومن پورہ)، جناب عبدالحمید خان صاحب (بھیونڈی) اور جناب مقصود سین صاحب (کوکن) پر مشتمل تھا، کیرلا ندوۃ المجاھدین (KNM) کے نائب صدر ڈاکٹر حسین ابوبکر کویا سے رابطہ کے

بعد ان کی رہنمائی میں وفد نے کئی متاثرہ گاؤں کا معائنہ کیا، پونور کے قریب گاؤں کرنجولا ، کنپن کنڈو KANNAPAN KUNDU سیلاب کی آفت سے پورا گاؤں تہس نہس ہوگیا تھا، چونکہ حادثہ رات تین بجے ہوا تھا اس لیے مکانات کی تباہی کے علاوہ ۱۴ نفوس پہاڑ کے گرنے سے دب کر ہلاک ہوگئے تھے، منظر انتہائی بھیانک اور عبرت ناک تھا، منظر دیکھنے کے بعد سابقہ امتوں کے واقعات یاد آ گئے، بعض مقامات کے نشانات بھی مٹ گئے تھے اور سڑک کا پتہ بھی نہیں چلتا تھا، ان مقامات پر متاثرین کا تعاون کیا گیا، جبکہ صوبائی جمعیت نے ایک چیک ندوۃ المجاھدین کالی کٹ کی آفس میں ذمہ داروں کو دیا، جبکہ اس سے پہلے بھی KNM کو ایک خصوصی رقم دی جا چکی تھی۔

دوسرے دن فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن سلفی (رئیس الجامعۃ الندویۃ (ایڈوانا) وامین ندوۃ المجاھدین کیرلا) کی رہنمائی میں وایاناڈ (WAYANAD) کلپٹا (KALPETTA) کے متاثرہ علاقوں کا دورہ مولانا عبداللہ زبیر محمدی کی معیت میں کیا ، جہاں کیلے کی فصل مکمل تباہ ہوگئی ہے اور بہت سے مکانات سیلاب اور لینڈ سلائڈنگ کی وجہ سے جزئی وکلی طور پر منہدم ہوگئے ہیں ، جن کی مرمت اور از سر نو تعمیر ضروری ہے ، اب سیلاب ختم ہونے کے بعد لوگ دھیرے دھیرے اپنے گھروں کی مرمت اور تعمیر جدید کی فکر میں ہیں ، حکومت سے لیکر بہت ساری مقامی وبیرونی تنظیمیں ریلیف کے کام میں لگی ہوئی ہیں ، KNM کے ذمہ داران نے بتایا کہ کوچین ، ارناکولم وغیرہ علاقے بے انتہا متاثر ہوئے ہیں اور ان علاقوں میں بہت سی تنظیمیں پہنچ بھی رہی ہیں جبکہ کالی کٹ اور ضلع وایاناڈ میں بہت کم ادارے توجہ دے رہے ہیں، اس لیے وہاں کے ذمہ داروں کی رہنمائی میں ان علاقوں میں وفد نے اولا توجہ دی۔

کیرلا کے سیاحتی ضلع وایاناڈ پہنچنے پر KNM کے نائب صدر ڈاکٹر حسین ابوبکر کویا صاحب جو وہاں غریبوں کیلئے نئے مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک میٹنگ میں تشریف لائے ہوئے تھے ان کے ہمراہ وایاناڈ مجاہدین کے ذمہ دار شیخ عبدالرحمٰن سلمی اور دیگر کئی ذمہ داران سے ملاقات ہوئی ، پھر ان کی رہنمائی میں پینگوڈ PINANGODE، اچور ACHUR، واروڈنا WARUDNA، میلموری MELMURI وغیرہ دیہاتوں کا معائنہ کرنے کے بعد تباہ شدہ مکانات کے متاثرین کو جمعیت کے ریلیف وفد نے نقدی تعاون پیش کیا، اس تعاون پر بہت سے لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں ، وفد نے بھی ان کی شدید تکلیف کا احساس کیا اور تسلی دی۔

جمعیت کا دوسرا وفد عنقریب ضلع ارناکولم اور کوچین وغیرہ کا دورہ کرے گا۔ ان شاءاللہ

اللہ تعالیٰ متاثرین پر خصوصی رحم فرمائے اور دوبارہ گھر بسانے میں ان کی مدد فرمائے۔ آمین

ریلیف رسانی کے سفر میں ہمیں اندازہ ہوا کہ دیگر ملی تنظیموں کے ساتھ ہماری سلفی تنظیم ، ادارے اور جماعتی افراد تن من اور دھن سے متاثرین کی باز آبادکاری میں بہتر ڈھنگ سے منہمک ہیں، اللہ تعالیٰ سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور خصوصا معاونین کے اہل ومال میں برکت دے ، کیرلا میں قیام کے دوران وفد کو جماعت کے کئی بڑے اداروں کی زیارت اور ان کے ذمہ داروں سے ملاقات کا موقع بھی ملا۔

دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

❖ ❖ ❖

Special Issue "AL-JAMAAH" Mumbai
August-September 2018

Published by :

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.
Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com
@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com